اصلاح بر کلامِ تلامذہ" بھی ایک دلچسپ باب ہے، اور اس کے بعد تلامذہ کا تذکرہ ہے، جسمین ان کے ممتاز اور ارشد تلامذہ کے مختصر حالاتِ زندگی انتخابِ کلام کے ساتھ پیش کئے گئے ہین، جسکی وجہ سے چودھوین صدی کے تقریباً ۳۰ ۳۵ شعرائے بہار کے حالات اور نمونۂ کلام منضبط ہو گئے ہین، رسالہ کی زبان صاف شستہ اور طرزِ ادا بہتر ہے، اگر جناب مؤلف اسی سلسلہ مین "تذکرۂ شعرائے بہار" کا بیڑا اوٹھائین تو مزید شکریہ کے مستحق ہون گے، ضخامت ۱۲۴ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ خاصہ ہے، قیمت عہ، جناب مؤلف سے اقبال منزل نو دیگرہ پٹنہ سٹی کے پتہ سے ملے گی،

انقلابِ فرانس، فرانس مین ۱۷۸۹ء مین شاہ پسندون کے خلاف ایسا عظیم الشان انقلاب برپا ہوا جس نے سارے یورپ کی تاریخ مین ایک جدید دور کی بنا ڈالی، اس انقلاب کے صحیح سبق آموز اور دلچسپ حالات ناول کے طرز مین یورپ کی متعدد زبانون مین لکھے گئے، انہی مین سے کسی ایک کا ترجمہ مصر کے اہلِ قلم نے سورۃ فرنسا کے نام سے کیا، اور مولانا عبد الرزاق صاحب ندوی ملیح آبادی مدیرِ اخبار پیغام کلکتہ نے اس عربی ترجمہ کو کسی قدر تلخیص کے ساتھ "انقلاب فرانس" کے نام سے اردو مین منتقل کیا ہے جس مین انقلابی تحریک کی نشو و نما، خفیہ انجمنون کی سازباز، سیاسی ہنگامہ آرائیان اور خونریز معرکہ آرائیان خاص طور پر نمایان ہین، ترجمہ کو عام فہم بنانیکی خاص کوشش کیگئی ہے، حجم ۱۹۲ صفحے، کاغذ عمدہ اور لکھائی چھپائی خاصی ہے، قیمت قسم اول عہر و قسم دوم ۱۲ر، پتہ:- جناب منیجر صاحب صدیق بک ڈپو لکھنؤ،

ازہار العرب، مولوی دین محمد خانصاحب ثاقب لکچرر ڈھاکہ یونیورسٹی نے مدارس کے ابتدائی درجون کو عربی انشا، اور خط و کتابت سکھانے کے لیے یہ رسالہ تالیف کیا ہے جسمین پہلے چھوٹے چھوٹے پر لطف قصے ہین، پھر حیوانات کے متعلق معلومات ہین، اور آخر مین مختلف اعزہ و احباب وغیرہ کے نام خطوط کے نمونے ہین، ہر سبق کے مشکل الفاظ کا حل بھی دیدیا ہے، قیمت ۶ر جناب مولف سے مولوی بازار ڈھاکہ کے پتہ سے طلب کرین،

"ز"

مجلد نوزدہم	ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ مطابق ماہ جون ۱۹۲۷ء	عدد ششم

مضامین

شذرات

ہندوستان کے کہنہ مشق اور فارسی کے مسلم الثبوت شاعر حضرت گرامی نے ۲۶ مئی سنہ ۱۹۲۷ء کو چند روزہ علالت کے بعد اس دنیائے فانی کو الوداع کہا، مرحوم پنجاب کے ضلع جالندھر کے رہنے والے تھے، فارسی شاعری سے ان کو فطری لگاؤ تھا، کچھ دنون امرتسر کے ایک اسلامی مدرسہ مین معلم رہے، پھر اعلیٰ حضرت نظام سابق مرحوم کی قدر شناس نگاہ نے ان کو تاکا، اور اپنے دربار کا فارسی شاعر مقرر کیا، اخیر عمر مین حیدرآباد سے جالندھر آکر جب قیام کیا، تو ان کی صحبت اور فیض اثر سے متعدد نوجوان اردو شاعر پیدا ہوئے جنمین ابوالاثر حفیظ، اور سالک کے نام سب سے اونچے ہین، ڈاکٹر اقبال نے بھی جب سے فارسی مین کہنا شروع کیا، ان سے استفادہ مین دریغ نہین کیا، زبان کے معاملہ مین وہ ان کی سند تھے، افسوس ہے کہ اب کشور ہند ایسے یگانہ نامور کے وجود سے ہمیشہ کے لیے خالی ہوگیا،

مرحوم سے صرف ایک دفعہ آل انڈیا شعراء کانفرنس دہلی منعقدہ سنہ ۲۳ مین ملاقات ہوئی تھی، بے حد منکسار، متواضع اور مرنج مرنجان آدمی تھے، ایک سال پہلے تک ان کے اکثر خطوط میری عزت بڑھاتے رہتے تھے، اور کبھی کبھی معارف کے صفحون کو بھی اپنے نغمون سے معمور کیا کرتے تھے، مولانا شبلی مرحوم کے تعلق اور ان سے حیدرآباد کی یکجائی اور شاعری کی ہمپیشگی کا اثر یہ تھا کہ وہ مولانا مرحوم کی اس یادگار کو بزرگانہ محبت کی نگاہون سے دیکھا کرتے تھے، افسوس کہ یہ فیض اب ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا،

اسلامی ممالک کو اپنی بیداری کے بعد اپنے سیاسی اور اقتصادی مشکلات کے حل کرنے مین، اور

اپنی بقا اور قیام کے لیے جد وجہد مین اس قدر منہمک رہنا پڑا کہ خالص علمی مباحث خواہ وہ قدیم ہون یا جدید ان سے مجبوراً ان کو بے اعتنائی روا رکھنی پڑی، اس بڑی لڑائی کے بعد جب کہ جو کچھ ہونا تھا وہ ہوچکا، اور بہت حد تک ان کو اب اطمینانِ خاطر نصیب ہوا، تو ان کو اب ادھر بھی توجہ اور التفات کی فرصت ہاتھ آئی، اس سلسلہ مین جامعۂ ترکیہ قسطنطنیہ، جامعۂ آل البیت عراق، اور جامعہ دمشق اور مجمع علمی عربی کے نام لیے جاسکتے ہین، ایران اور افغانستان کی علمی اور تعلیمی کوششین بھی اس ضمن مین ذکر کے قابل ہین،

موجودہ عربی زبان کے سب سے بڑے شاعر احمد شوقی بے مصری کی بزم تہنیت اور جوبلی مین جسمین عربی ممالک کے تمام شعراء اور اہل قلم نے تقریراً یا تحریراً شرکت کی تھی، یہ تجویز زیر غور آئی ہے کہ تمام عربی ممالک جو سیاسی حیثیت سے متفرق اور منقسم ہین، کم از کم علمی حیثیت سے ان کو ایک نظام اتحاد مین منسلک کردینا چاہیئے یعنی عربی زبان کی ایک ایسی علمی و ادبی مجلس قائم کیجائے جسمین عراق وشام ومصر وعرب ہر ملک کے باشندے شریک ہوکر اپنی قومی ولسانی وحدت کا ثبوت دین، امید ہے کہ یہ تجویز اگر عمل مین آگئی تو عربی زبان کی ترقی کا یہ ایک نیا انقلابی قدم ہوگا، اور ہر ملک مین جو علحدہ علحدہ ملکی عربی زبان پیدا ہوگئی ہے، وہ مٹ کر ایک متحدہ عربی زبان پیدا ہوجائے گی،

اس سلسلہ مین یہ خبر بھی مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ ہندوستان کی اردو زبان بھی اسلامی ممالک مین اپنا اثر اور رسوخ پیدا کرتی جارہی ہے، افغانستان کے محکمۂ تراجم نے اردو زبان سے مولانا شبلی نعمانی کی المامون اور شعر العجم کا، مولانا نذیر احمد کی بنات النعش، مولوی سید علی بلگرامی کی تمدن عرب، مولوی عبد الماجد صاحب دریابادی کی فلسفۂ جذبات کا فارسی مین ترجمہ کیا ہے، ٹرکی مین ہندوستان کے ایک انگریزی تعلیم یافتہ صاحب ذوق اہل قلم مولوی ظفر حسن صاحب کے قیام کے سبب سے ترکون کو اردو تصنیفات یا ہندوستان

مین لکھی گئی انگریزی اسلامی تصنیفات سے واقفیت کا ذریعہ بہم پہنچا ہے، اس سلسلہ مین ڈاکٹر آرنلڈ کی دعوتِ اسلام (پریچنگ آف اسلام) کا ترجمہ پروفیسر خلیل خالد بے نے "انتشار اسلام تاریخی" کے نام سے اور جان ڈی ونپورٹ کی اپالوجی فار محمد اینڈ قرآن کا ترجمہ "حضرت محمد و قرآن کریم" کے نام سے اور مسٹر امیر علی کی اسپرٹ آف اسلام کا ترجمہ روحِ اسلام کے نام سے اور مولوی محمد علی ایم اے لاہوری کی لائف آف محمد کا ترجمہ پیغمبر کے نام سے عمر رضا بے نے کیا ہے،

اردو کتابون مین سے مولانا شبلی مرحوم کی مشہور آفاق کتاب الفاروق کا ترجمہ حضرت عمرؓ کے نام سے ترکی مین ابھی شائع ہوا ہے، ظفر حسن صاحب نے پہلے اس کا اردو سے انگریزی مین، اور عمر رضا بے نے اس انگریزی ترجمہ سے اس کا ترکی مین ترجمہ کیا، جو ۱۰۴ صفحون مین متوسط تقطیع پر ٹائپ مین چھپا ہے، یہ اچھا کیا ہے کہ اصل کتاب کے حوالے بھی حاشیہ مین باقی رکھے ہین، آخر مین دو ضمیمے ہین، پہلے ضمیمہ مین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کے مختصر حالات اس تعلق سے دیئے گئے ہین کہ الفاروق مین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بار بار حوالہ آتا ہے، دوسرے ضمیمہ مین خود مصنف یعنی مولانا شبلی مرحوم کے مختصر سوانح درج ہین، جنمین دار المصنفین کا بھی ذکر آگیا ہے۔

جنوری سنہ ۲۷ء کے رسالہ مین واقدی پر ڈاکٹر ہورووٹز گولیم کے جواب مین جو تنقیدی مضمون لکھا گیا تھا بحمد اللہ کہ اکثر اہل علم نے اسکی قدر افزائی فرمائی، اور اسکو اسلام کی ایک اہم خدمت قرار دیا، ایک مقیم حجاز صاحب علم نے یہ تحریک کی ہے کہ اس کا عربی مین بھی ترجمہ کیا جائے، اپریل سنہ ۲۷ء سے اسکا انگریزی ترجمہ اسلامک ریویو (ووکنگ، انگلینڈ) مین اصل مخاطب کے لیے شائع ہو رہا ہے، دیکھین اب ادھر سے اس کا جواب کیا ملتا ہے؟

اُدھر مسیحی یورپ کے مخالف اہل قلم کی طرف سے انتظار ہو تو ہو مگر اسلامی ہندوستان کے بعض دوست اہل علم کی طرف سے ہم کو انتظار کرنا نہین پڑا، مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے ایک عالم مولانا محمد ظفر الدین صاحب قادری نے جو ہمارے کرمفرما بھی ہین، ایک خط کے ذریعہ سے ہم کو ہماری اس لغزش پر تنبیہ کی ہے، اور چاہا ہے کہ ہم ان کا جواب رسالہ مین دین،

ممدوح کا والا نامہ حسب ذیل ہے:-

مولانا المحترم دام مجدکم۔ السلام علیکم معارف نمبر ۱ مین بجواب الفرڈ گولیم آپکا مضمون دیکھکر یہ چند سطرین گذارشِ خدمت ہین،

۱۔ جناب جیسے نعمانی حامیِ مذہب حنفیہ سے امام محمد بن عمر واقدی کے جرح کی ترجیح سخت تعجب خیز ہے جبکہ جرح کے ساتھ ساتھ زبردست توثیق بھی مذکور ہے، اگر کسی نے متروک کہا تو امیر المومنین فی الحدیث کہنے والے بھی موجود ہین ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب،

۲۔ محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام کی جلالتِ شان آپ جیسے فاضل سے مخفی نہین، وہ فتح القدیر مین وثقنا الواقدی فرماتے اور تضعیف کو مخالف کا فعل ٹھہراتے ہین کیا آپ اپنی وسعت نظری پر امام ابن الہمام کی تحقیق کو مقدم رکھکر وسعتِ اخلاق کا ثبوت دے سکتے ہین،؟

۳۔ امام ابن دقیق العید کتاب الامام فی شرح الالمام مین فرماتے ہین ہمارے شیخ حافظ الحدیث امام ابو الفتح رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مغازی و سیر کے شروع مین ان سب کے اقوال جمع کئے جنھون نے واقدی کو ضعیف کہا اور جنھون نے ثقہ کہا، پھر ان کی توثیق کو ترجیح دی اور جو کچھ جرحین ان پر کیگئین سب کے جواب دیئے ذکرہ المحقق فی فتح القدیر کیا ان جرحون کی وجہ سے جنکو ایک ایک کرکے محقق سیر نے رد کر دیا ہو آپ جیسے وسیع النظر کے لیے رجنکی پرش نظر نہ صرف فتح القدیر ہی ہے

بلکہ کتاب الامام ابن دقیق العید و مغازی امام ابو الفتح بھی ضرور نظر سے گذری ہوگی) امام واقدی

کو رد کرنا قرین صواب ہے؟ امید کہ آئندہ پرچہ مین جواب سے عزت افزائی فرمائی جائے،

اول ہم اپنے دوست کی اس عنایت و کرمفرمائی کا شکریہ ادا کرتے ہین کہ انھون نے ہماری تحریر کو اعتناء اور

التفات کے لائق سمجھا، اس کے بعد اصل بحث کے متعلق اس پورے خط سے اتنا معلوم ہوا کہ امام ابن الہمام نے

فتح القدیر کے کسی مقام پر واقدی کو ثقہ کہا ہے، اور یہ لکھا ہے کہ ہم (یعنی حنفی) اسکو ثقہ سمجھتے ہین، افسوس ہے کہ

ہمارے کرمفرمانے فتح القدیر کے کسی باب یا صفحہ کا حوالہ نہین دیا ہے، جس سے اصل موقع کا پتہ لگ سکے،

تاہم یہ عرض ہو کہ نقد و جرح کے معاملہ کو حنفی و شافعی سے کوئی تعلق نہین، اور نہ کہین اصول مین یہ بحث آئی ہے،

یہ فرقہ بندی فقہ اور اصول مین تو بیشک ہو مگر اسماء الرجال اور نقد و جرح رجال مین نظر سے نہین گذری، زیادہ

سے زیادہ جو چیز اس بحث مین آئی ہے، وہ فقیہ راوی کو غیر فقیہ راوی پر ترجیح دینے کا مسئلہ ہے،

اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ ثابت ہوگا کہ نوین صدی کے ایک مشہور حنفی امام (ابن الہمام المتوفی

سنہ ۸۶۱ھ) نے کسی وجہ سے اوسکو ثقہ تسلیم کیا ہے، اس سے اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہین پڑ سکتا، پھر آپ کی پیش

کردہ عبارت کے مقابلہ مین انہی امام ہمام اور ان کی اسی کتاب فتح القدیر کی ایک عبارت ہم بھی پیش کرنا چاہتے ہین

"قال ابن القطان هو مرسل ومع ارساله فيه قيس بن مسلم وهو ابن الربيع

وقد اختلف فيه وهو ممن ساء حفظه بالقضاء وشاركه ابن سعد في الطبقات

من طريق ليس فيها قيس .... لا تنكح نساؤهم ولا تؤكل ذبائحهم وفي سنده

الواقدي" (کتاب النکاح جلد ۲ صفحہ ۳۰۲، مصر)

غور کیجئے کہ اصل معنی روایت کے ثبوت کی کوشش کے ساتھ واقدی کے ذریعہ سے اوسکو قوت بہم

پہنچانے مین امام موصوف کو کس قدر تامل ہے آپ ہی انصاف سے فرمائین کہ محدثین کے نزدیک وفی سندہ

فلان لکھنے مین یہ تنبیہ مقصود ہوتی ہے یا نہین کہ اس روایت کا یہ راوی کمزور اور ضعیف ہے، جیسا کہ

اس کے اوپر ہی کی عبارت مین جسکو ہم نے نقل کر دیا ہے، آپ کو نظر آرہا ہے، یہ عام محاورہ ہے جسکو ہر عالم

حدیث جانتا ہے، ورنہ ضرورت کیا تھی کہ تمام راویون مین سے امام ابن ہمام صرف واقدی ہی کا ہاتھ پکڑتے، فتامل

جناب کو اتنے ہیر پھیر سے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ امام ابن ہمام نے فتح القدیر مین لکھا ہے کہ ابن دقیق

العید نے اپنی کتاب الامام فی شرح الالمام مین لکھا ہے کہ میرے استاد امام ابو الفتح نے اپنی کتاب مغازی و سیر

کے شروع مین ان سب کے اقوال جمع کر دیے ہین جنھون نے واقدی کو ضعیف کہا اور جنھون نے ثقہ کہا، پھر

ان کی توثیق کو ترجیح دی اور جو کچھ جرحین ان پر کیگئین سب کے جواب دیے، صاف لکھدیتے کہ امام ابو الفتح

نے اپنی مغازی مین ایسا لکھا ہے، بحمد اللہ کہ آپکے حسن ظن کے مطابق مغازی و سیر کا قلمی نسخہ ہمارے پیش نظر ہے، امام ابو الفتح کی

مشہور کنیت ابن سید الناس ہے، امام ابو الفتح محمد بن محمد المعروف بابن سید الناس الاندلسی المتوفی ۷۳۴ھ موصوف کی کتاب کا نام

عیون الاثر فی فنون المغازی والسیر ہے، اگر آپ معارف استیعاب سے پڑھتے ہین، تو اس کا حوالہ آپ کو

مضمون واقدی کے پہلے نمبر (بجواب پروفیسر مارگولیوتھ) جنوری ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۲ سطر ۶ مین آپکو ملے گا،

معارف مین اس موقع کی عبارت یہ ہے:-

"محمد بن اسحاق اور محمد بن عمر واقدی کا حامی اور مدافع علامہ ابن سید الناس اندلسی المتوفی

۷۳۴ھ سے زیادہ کوئی نہین، انھون نے ان دونون کے متعلق جس قدر توثیق اور استناد

کے اقوال تھے سب کو اپنی کتاب عیون الاثر فی فنون المغازی والسیر کے مقدمہ مین

یکجا کر دیا ہے"

اس مقدمہ میں، امام ابو الفتح ابن سید الناس نے یہ سب کچھ نہیں کیا ہے، جو کچھ کیا ہے وہ یہ ہے کہ پہلے ان کی توثیق کے اقوال ایک ایک کر کے نقل کئے ہیں، پھر واما الکلام فیہ فکثیر جدا (یعنی ان پر اعتراضات تو بہت زیادہ ہیں) کہکر مختصر الفاظ میں انکی تضعیف کے اقوال نقل کئے ہیں، اور ان سب کا ایک ہی جواب یہ دیا ہے کہ واقدی کی روایتیں بے حد اور بے پایان ہیں، اور جو اس کثرت سے روایت کرے گا، اوسکی روایتوں میں غریب روایتوں کا بھی بڑا حصہ شامل ہو گا، اسی لیے لوگون نے واقدی کو مطعون کیا ہے، اس مختصر و مجمل جواب کو اپنے اس فقرہ سے ملا کر دیکھیے کہ، اور جو کچھ جرحین ان پر کیگئین سب کے (امام ابو الفتح نے) جواب دیئے "

مولانا ذرا درس و تدریس کے گوشۂ عزلت سے باہر قدم نکالیے، اور دیکھیے کہ یہ وقت کیا ہے؟

وقت آن است کہ خیمہ بزنی در کہسار

یہ وقت حنفی اور شافعی عصبیت کا نہین ہے، یہ اسلامی عصبیت کا وقت ہے، آپ کو خدا نے جو علم و فضل دیا ہے، اس سے حنفیت و شافعیت کی نہین، بلکہ اصل اسلام کی خدمت انجام دیجیئے، کہ دشمن کا حملہ اس وقت آپ کے اندرونی فرقہ وارانہ خانگی اختلافات پر نہین، بلکہ عین اسلام اور روایات اسلام پر ہے، یہ صفین و جمل کا وقت نہین بدر و حنین کا وقت ہے،

دار المصنفین کی طرف سے اس سہ ماہی (جون) مین نطشے ارکان کی خدمت مین بھیجی جا رہی ہے، اس مین اس مشہور جرمن فلاسفر کے سوانح، تصنیفات خیالات اور مسائل پر اختصار کے ساتھ تبصرہ کیا گیا ہے، انشاء اللہ آئندہ سہ ماہی مین سیر الصحابہ کے سلسلہ مین خلفائے اربعہ شائع ہو گی، جو تقریباً نصف چھپ چکی ہے،

دار المصنفین نے اپنی تصنیفات، تالیفات اور تراجم مین دین و دنیا دونون کو جمع کرنا چاہا ہے، اس وقت اردو زبان اور اردو دان مسلمانون کو ہمارے خیال مین دو قسم کی ضرورتین ہین، ایک یہ کہ خالص اردو دانون یا عربی دانون کے لیے ہماری زبان مین جدید علوم اور جدید خیالات کا سرمایہ منتقل ہو، اور خصوصاً وہ قدیم معیاری کتابین (کلاسیکل) جنسے کسی زبان کو استغنا نہین ہو سکتا، دوسری ضرورت یہ ہے کہ نوجوان تعلیم یافتون کی توسیع علم اور واقفیت کے لیے اسلامی علوم و فنون و تاریخ پر اردو مین مواد فراہم کیا جائے،

اس وقت دار المصنفین دوگونہ رنج و عذاب مین ہے، ادھر مذہب کے بعض دل برداشتہ اصحاب معترض ہین کہ وہ صرف مذہبی کتابون کا کارخانہ ہے، دوسری طرف سے مذہبی کتابون کے شائق نئے تعلیم یافتہ حضرات کہتے ہین کہ دار المصنفین فلسفہ اور جدید علوم کی کتابون پر بے فائدہ محنت صرف کرتی ہے، کہ ہم کو تو یہ چیزین ہر انگریزی دکان پر مل جاتی ہین، دار المصنفین سے صرف اسلامیات کے متعلق کتابین شائع ہونی چاہئین،

ہمدم وغیرہ بعض اخبارات مین پہلا اعتراض پیش کیا گیا تھا، اور دوسرا اعتراض ابھی شملہ سے ہمارے ایک نہایت مخلص کرمفرما نے کیا ہے، غرض

دوگونہ رنج و عذاب است جان مجنون را

دار المصنفین کے لیے راستہ متعین کرنے مین اس کے ارکان نے ان دونون مشکلون کو سامنے رکھا اور یہ چاہا کہ اردو زبان کی ان دونون ضرورتون کو پورا کیا جائے، اور دینی و دنیاوی دونون قسم کی کتابین تالیف و ترجمہ کیجائین، اور اس طرح دردمند قوم کے لیے دار المصنفین کے اصلی تخیل رکھنے والے (مولانا شبلی)

کے بنائے ہوئے نسخہ کا استعمال کیا جائے،

اے کہ پرسی کہ درین کار چہ تدبیر بود
دین و دنیا بہم آمیز کہ اکسیر بود

اس وقت تک دار المصنفین کی طرف سے جو کتابین شائع ہوئی ہین، ان پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ ان مین ادبی، تاریخی، فلسفیانہ اور مذہبی ہر قسم کی کتابین داخل ہین، اور ہر سال کے مطبوعات مین ہم اس کا خیال رکھتے ہین، کہ مختلف مذاق والون کے لیے ہر سال اختلافِ مذاق کا لحاظ رکھا جائے، اور کم ازکم ایک دو کتابین بھی ضرور اسلامیات کے متعلق ہون، چنانچہ امسال بھی ایسا ہی ارادہ ہے،

سیواجی کا جشن پیدائش امسال ہر جگہ بڑی دھوم دھام سے منایا گیا، ہمارا صرف یہ کہنا ہے کہ کاش یہ سیوا کی پیدائش کا جشن منانے والے سیوا کے عہد مین ہوتے اور اسکی قزاق فوج کے کارنامے اپنی آنکھون سے دیکھتے اور کم ازکم ایک دفعہ خود اسکی تاخت وتاراج کا ذاتی تجربہ رکھتے اور چوتھ کی مصیبت مین گرفتار ہوتے آج ہندو جشن منا رہے ہین، لیکن ان کو یاد رہے کہ کل جب یہ مہار انشٹری لوٹیرے تمام ہندوستان کو لوٹتے پھرتے تھے تو ان کی لوٹ مین ہندو مسلمان کی تمیز نہ تھی، اور نہ دیر وحرم اور بتخانہ ومسجد کا امتیاز تھا، آج سمجھ بوجھ اور تعلیم وتربیت کے اثر سے متاثر ہوکر مرہٹہ برہمن اپنے ہیرو کے دامن سے یہ داغ مٹانا چاہتے ہین، لیکن تاریخ کے دفتر کیونکر خون کے دھبون سے پاک ہوسکتے ہین، اسلیے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ایک مدت سے پونہ کی مرہٹی تاریخی انجمن کاغذات، دستاویزات اور جعلی تاریخی کتابون اور خطوط کے بنانے کا نہایت مجرمانہ کام انجام دے رہی ہے، جنکے مطابق سیوا کو ہندو قوم کا ایک مصلح ہیرو اور نیک خیال کشور کشا اور متمدن مدبر بنایا جارہا ہے، مگر

این خیال است ومحال است وجنون

جو لوگ سیوا کو ہندو قوم کا ہیرو اور اسکی جد وجہد کا اصلی منشا خاص مسلمانون کو ہلاک وبرباد کرنا قرار دیتے ہین، وہ حقیقت وہ یا تاریخ سے ناواقف ہین، یا تاریخ سے کھیل کرتے ہین، مرہٹون کی حکومت کی بنیاد ایک جاگیر سے شروع ہوتی ہے، بیجاپور کے مسلمان بادشاہ عادل شاہ نے پونہ اور سوپہ کے دو پرگنے سیوا کے باپ ساہو کو عطا کیے تھے، یہی جاگیر تھی جسپر سیواجی نے اپنی حکومت تعمیر کرنی چاہی، کیا یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ ایک مسلمان بادشاہ نے اسلام کی تباہی کے لیے خود اپنے دشمن کے ہاتھ مین ہتھیار دیدے، اور اگر حقیقت ہے تو سیوا اور اسکا خاندان کس درجہ اخلاق سے گرا ہوا تھا، کہ جس نے اس کو اورنگ نشین بنایا، اسی کی تباہی وبربادی کا اس نے سامان کرکے محسن کشی کے بدترین جرم کا ارتکاب کیا،

عالمگیر کی طرف سے جو فوجی عہدہ دار اور افسر سیوا سے برسرپیکار تھے، ان مین بڑے بڑے ہندو راجپوت اور راجپوتانہ کے راجہ تھے، سیوا کو دکن کی جس ریاست سے مدد مل رہی تھی وہ بیجاپور کی اسلامی ریاست تھی، سیوا کی فوج مین توپ خانہ کا تمام انصرام مسلمان افسرون کے ہاتھون مین تھا، عربون کی بڑی فوج مرہٹون کے ساتھ تھی، اہل ولایت بھی کم نہ تھے، یہ اچھی کفر واسلام کی جنگ تھی جس مین اسلام کی طرف سے کفر اور کفر کی طرف سے اسلام شمشیر بکف اور نبرد آزما تھا، اور اگر یہ واقعہ ہے تو شاید اس ظلم وستم اور جہالت کے دور مین آج کے عدل وانصاف اور تعلیم کے عہد سے ہندو مسلم اتحاد کہین زیادہ مستحکم اور مضبوط تھا،

کتاب الفلاحة

ابوزکریا علامہ یحیی بن محمد اشبیلی کی کتاب کا ترجمہ جسے مولوی سید ہاشم ندوی نے ترجمہ کیا ہے اسمین مصریون، نبطیون، یونانیون اور مسلمانون کی زراعت اور باغبانی کے اصول کی تشریح کیگئی ہے، مطبوعہ معارف پریس حجم ۴۱۶ صفحہ، قیمت للعہ

مقالات

کیا باپ کو اپنی لڑکی کے نکاح کا کامل اختیار ہے؟

(۳)

پچھلے نمبر مین اس پر پوری بحث کی جاچکی ہے، اور یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ جوان و بالغ لڑکی کو اپنے نکاح کا خود پورا اختیار حاصل ہے، اور باپ کے لیے جائز نہین ہے کہ اسکی مرضی دریافت کئے بغیر اسکا نکاح کر سکے، اور اگر کردیگا تو لڑکی کو جب اس واقعہ کا علم ہو وہ اسکو باطل قرار دے سکتی ہے، اسی کے ساتھ وہ تمام احکام نبوی درج کیے جاچکے ہین، جنمین لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کے نکاح کر دینے کی قطعی ممانعت کیگئی ہے، اور ان احکام مین کنواری، بیوہ اور مطلقہ ہر ایک کے لیے اس بارہ مین برابر کا اختیار اور حق ثابت کیا گیا ہے،

آج کے مضمون مین ایسے واقعات اور مقدمات کی نظیرین پیش کرنی ہین جنسے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عدالت نبوی مین جب کبھی کسی لڑکی نے اپنے باپ کے خلاف اس قسم کا مقدمہ دائر کیا جسمین اسکی مرضی اور اجازت کے بغیر باپ نے اس کا نکاح کر دیا ہے، تو آنحضرت صلعم نے ہمیشہ لڑکیون کے حق مین اور باپ کے خلاف فیصلہ صادر فرمایا ہے۔

۱۔ اس قسم کا سب سے پہلا واقعہ جو حدیث کی اکثر کتابون مین ہے، خنساء بنت خدام انصاریہ کا ہے، ان کے باپ نے ان کا نکاح ایک ایسے شخص سے کر دیا جسکو وہ بہت پسند نہیں کرتی تھین، انھون نے بارگاہ نبوی مین جاکر اپنا معاملہ پیش کیا، آپ نے اس نکاح کو ناجائز قرار دیا، اور لڑکی کو اختیار دیا، کہ وہ جس سے چاہے اپنا نکاح کرے، چنانچہ اس نے ابو لبابہ انصاری سے اپنا نکاح کیا،

یہ واقعہ صحیح بخاری (کتاب النکاح)، ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ مین ہے،

۲۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے خاندان کی ایک خاتون کو یہ خطرہ تھا کہ ان کے ولی کسی ایسے شخص سے اسکی شادی نہ کردین، جسکو وہ پسند نہ کرتی ہون، انھون نے انصار کے دو بزرگون کو اپنی حالت کہلا بھیجی، انھون نے جواب دیا کہ ڈرنے کی کوئی وجہ نہین، خنساء کا نکاح ان کے باپ نے کسی ایسے شخص سے کر دیا جسکو وہ پسند نہین کرتی تھین، انھون نے آکر رسول اللہ صلعم سے اپنا واقعہ عرض کیا، آپنے اس نکاح کو رد کر دیا،[1]

۳۔ حضرت عطا تابعی حضرت جابر صحابی سے روایت کرتے ہین کہ ایک کنواری لڑکی نے بارگاہ نبوی مین آکر دعویٰ کیا کہ اس کے باپنے اسکی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کر دیا، جو مجھے ناپسند ہے، آنحضرت صلعم نے اسکی مرضی کے مطابق اس کا نکاح رد کر دیا،[2]

۴۔ عکرمہ تابعی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی قسم کی ایک روایت کرتے ہین کہ ایک کمسن کنواری لڑکی، (جاساریۃ) نے خدمت نبوی مین آکر اسی قسم کا واقعہ عرض کیا، اور اپنی نارضامندی کا اظہار کیا، آپنے اوس کو بھی اختیار دیدیا،[3]

۵۔ حضرت نافع تابعی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ صحابی سے روایت کرتے ہین کہ ایک شخص نے اپنی کنواری لڑکی کا نکاح کر دیا، اور لڑکی کو یہ نکاح پسند نہ تھا، اس نے آکر بارگاہ نبوی مین شکایت کی، آپ نے اوس کا نکاح رد کر دیا،[4]

۶۔ ابو سلمہ روایت کرتے ہین کہ بنی منذر کے قبیلہ کے ایک شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح اوسکی رضامندی کے بغیر کسی سے کر دیا، اس نے آکر اپنا واقعہ عرض کیا، آپ نے اسکا نکاح ناجائز قرار دیا،[5]

۷۔ ابن بریدہ تابعی کہتے ہین کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ذکر فرمایا کہ ایک نوجوان لڑکی نے (فتاۃ)

---

[1] صحیح بخاری کتاب الحیل، [2] دارقطنی کتاب النکاح، علامہ عینی نے اس روایت کو نسائی کی طرف منسوب کیا ہے، (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۴۲۳) مگر نسائی سنن صغریٰ مطبوعہ کتاب النکاح مین مجھے یہ روایت نہین ملی، ممکن ہے کہ سنن کبریٰ مین ہو جو غیر مطبوعہ ہے، [3] ابو داؤد دارقطنی و ابن ماجہ و نسائی کتاب النکاح و مسند ابن حنبل، [4] دارقطنی، [5] ایضاً کتاب النکاح،

ان کے پاس آکر بیان کیا کہ میرے باپ نے میرا نکاح اپنے بھتیجے سے اسلیے کر دیا ہے تاکہ اسکی ذلیل حالت میری نسبت سے بلند ہو جائے اور مین اسکو ناپسند کرتی ہون، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم کی تشریف آوری کا انتظار کرو، آپ جب تشریف لائے تو اس نے اپنا مقدمہ پیش کیا، آپنے اس کے باپ کو بلا بھیجا، اور لڑکی کو اس کے نکاح کا اختیار دیدیا، یہ دیکھکر لڑکی نے کہا، یا رسول اللہ میرے باپنے جو کچھ کیا، مین اسکو جائز کرتی ہون، اس مرافعہ سے میرا مقصود یہ تھا کہ مجھے یہ معلوم ہو کہ آیا اپنے نکاح مین عورتون کو بھی کچھ دخل ہے یا نہین[1]،

اس روایت کے اخیر فقرے بعض طریقون مین یہ ہین،

"میرے باپنے مجھ سے پوچھے بغیر میرا نکاح کر دیا، تو کیا مجھے اپنی ذات کے معاملہ مین کوئی اختیار ہے یا نہین؟ آپنے فرمایا، ہے، اس نے کہا تو مین اب اپنے باپ کے فیصلہ کو نامنظور کرنا نہین چاہتی لیکن مین نے چاہا تھا کہ عورتون کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان کو اپنی ذات کے معاملہ مین اختیار ہے، یا نہین ہے[2]؟"

ان تمام احادیث کو امام ابو حنیفہؒ نے تسلیم کیا ہے اور انھین سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بالغ لڑکیون کو اپنے نکاح کے معاملہ مین پورا اختیار حاصل ہے، اور باپ کو اس معاملہ مین کوئی جبری یا استبدادی حق حاصل نہین ہے، یعنی لڑکی کی مرضی کے خلاف یا اسکی نارضامندی کے باوجود وہ اس کا نکاح صرف اپنی پسند یا مرضی سے نہین کر سکتا، اور ایسا نکاح لڑکی کی مخالفت اور نارضامندی کے اظہار پر فسخ ہو جائیگا، یہ حق امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہر بالغ لڑکی کو حاصل ہے، خواہ کنواری ہو، یا بیوہ ہو یا مطلقہ ہو،

امام شافعیؒ کے نزدیک یہ حق اور یہ اختیار کنواری لڑکی کو نہین ہے، صرف اسکو ہے جسکا پہلے ایک دفعہ نکاح ہو چکا ہو اور اب وہ بیوہ یا مطلقہ ہو کر دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے جسکو اصطلاح مین "ثیبہ" کہتے ہین،

پہلی روایت مین جن خنسار کا واقعہ مذکور ہے، انکی حالت کی نسبت تین قسم کی روایتین ہین، ایک

[1] سنن نسائی و دارقطنی کتاب النکاح، [2] دارقطنی نکاح،

یہ ہے کہ وہ ثیبہ تھین، اور بیوہ ہو کر دوسری شادی کرنا چاہتی تھین، یہ بخاری کی اس روایت مین بیان ہے، جو کتاب النکاح مین ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ وہ کنواری تھین، یہ سفیان ثوری کی روایت ہے جسکو امام نسائی نے اپنی سنن کبری (مطبوعہ نسخہ سنن صغریٰ ہے) مین نقل کیا ہے[1]، تیسری روایت وہ ہے جسمین ان کے کنواری یا ثیبہ ہونے کی کوئی تخصیص نہین ہے، جیسا کہ صحیح بخاری کی اس روایت مین ہے جو کتاب الحیل مین ہے اور سنن کی دوسری روایتون مین ہے،

بہرحال اس پہلی روایت اور دوسرے بیانات سے زیادہ تر اسی کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت خنسا اس وقت ثیبہ تھین، اسلیے امام شافعی یہ حق صرف ثیبہ عورتون کے لیے مخصوص سمجھتے ہین، آخری چھٹی روایت مین نوجوان لڑکی (فتاۃ) کا لفظ ہے، جس سے زیادہ قرینہ یہ ہے کہ وہ کنواری لڑکی ہو، لیکن چونکہ اس مین یہ ذکر ہے کہ "میرے باپ نے اپنے بھتیجے کو ذلیل حالت سے بلند کرنے کے لیے میرے ساتھ نکاح کر دیا ہے" اس سے امام موصوف نے یہ خصوصیت پیدا کی ہے کہ جب کوئی باپ اپنی کنواری لڑکی کا نکاح کسی غیر کفو مین کریگا تب لڑکی کو یہ اختیار حاصل ہوگا ورنہ نہین،

بقیہ بیچ کی روایتون کے متعلق بیہقی، دارقطنی اور ابن حجر علمائے شوافع نے زیادہ سے زیادہ جو اعتراض کیا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ حدیثین مرفوع نہین، بلکہ مرسل ہین، لیکن جب یہ روایتین ایک طریقہ سے مرفوع اور دوسرے طریقہ سے مرسل ٹھہرتی ہین، تو کیا ضرور ہے کہ مرسل ٹھہرانے والی روایتین، مرفوع کے مقابلہ مین زیادہ صحیح قرار دیجائین، بہرحال اگر مرسل بھی مان لیجائین، تو تنہا قیاس سے وہ زیادہ معتبر ہونگی،

اصل یہ ہے کہ ان واقعات مین جو خاص خاص کیفیتین مذکور ہین کہ وہ دعویٰ کرنے والی لڑکی ثیبہ تھی، یا وہ عدم کفو کی بنا پر ناراض تھی، یا اور کوئی چیز امام شافعی ان مخصوص صورتون کو بھی لڑکیون کے حق اختیاری کے لیے ضروری سمجھتے ہین، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ ہے کہ یہ کیفیتین اتفاقی ہین، اور اصل وجہ لڑکی کی

[1] فتح الباری و عینی شرح حدیث مذکور،

نارضامندی اور ناپسندیدگی ہے، خواہ کسی بنا پر ہو، ہر صاحب نظر جو اس باب مین اون احکامی حدیثون کو جو پہلے نمبر مین کنواری لڑکیون کی اجازت کے بھی ضروری ہونے کے متعلق نقل کیگئی ہین، اور ان واقعات اور انحضرت صلعم کے فیصلون کو پڑھیگا وہ اسکے ماننے پر مجبور ہوگا کہ اسلام مین عاقل و بالغ لڑکیون کو اپنے نکاح کے معاملہ مین کامل اختیار حاصل ہے، امام بخاری کا بھی یہی مسلک معلوم ہوتا ہے، چنانچہ صحیح بخاری مین خنسار کی حدیث کا عنوان یہ قائم کیا ہے،

باب اذا زوج الرجل ابنتہ وھی کارھۃ — اس بیان کا باب کہ اگر کوئی شخص اپنی لڑکی کا نکاح کردے اور وہ اسکو ناپسند کرتی ہو تو وہ نکاح رد ہے،

فنکاحہ مردود،

باوجود اس کے کہ اس کے بعد خنسار کا جو واقعہ نقل کیا ہے اس مین ثیبہ کا ذکر ہے، مگر اس سے امام موصوف نے بھی یہ نہین سمجھا ہے کہ اس سے اس اختیار اور حق کی تخصیص صرف ثیبہ کے لیے ہے، بلکہ انھون نے یہ سمجھا ہے کہ یہ فیصلہ ہر اس لڑکی کے لیے ہے جو اس نکاح کو ناپسند کرتی ہو جو باپ نے اپنی مرضی سے کردیا ہو،

بعض لوگون نے موطاے امام مالک کے اس اثر کی بنا پر کہ راوی کا بیان ہے کہ حضرت سالم تابعی اور حضرت قاسم تابعی اپنی کنواری بالغ لڑکیون کا نکاح اونکی رضامندی دریافت کئے بغیر کردیا کرتے تھے، یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ بالغ کنواری لڑکیون کے نکاح کے جواز کے لیے ان کی مرضی دریافت کرنا ضروری نہین ہے تو اول تو رسول اللہ صلعم کے صریح حکم کے بعد یہ قیاس مین نہین آسکتا کہ ایسے متبع سنت اصحاب اس کے خلاف کرتے ہون، دوسرے یہ کہ یہ راوی کا اپنا علم ہے کہ وہ ایسا سمجھتے تھے کہ انھون نے مرضی دریافت نہین کی، یہ دھوکا ان راویون کو اسلیے ہوا کہ نکاح کے وقت ان کو مرضی دریافت کرتے انھون نے نہین دیکھا، اس سے یہ کہان لازم آتا ہے کہ انھون اس سے پہلے بھی کسی مناسب موقع پر ان کی مرضی اشارۃً یا کنایۃً دریافت نہین کی، یہ خانگی معاملات ہین جنکا صحیح علم کسی باہر کے آدمی کو نہین ہو سکتا، تیسرے یہ کہ یہ صورت اس وقت کے لیے ہے کہ جب نکاح کے معاملہ مین باپ اور بیٹی کے درمیان کشاکش اور اختلاف ہو، ورنہ اگر لڑکی باپ کے فیصلہ پر بخوشی رضامند ہو تو اس مین جواز و عدم جواز کی کیا بحث پیدا ہو سکتی ہے؟ ان سعادتمند

لڑکیون نے اپنے بزرگ باپون کے فیصلہ سے اختلاف نہین کیا، اس سے یہ کہان ثابت ہوتا ہے کہ اگر اختلاف ہوتا تو یہ لڑکیان مجبور قرار دی جاتین، اور باپون کے فیصلہ کو رد نہین کرسکتی تھین،

برخلاف اس کے اسی موطا[1] مین روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنی ایک عزیز کی لڑکی کا نکاح جبکہ باپ سفر مین تھے، اپنے ایک دوسرے عزیز کے لڑکے سے کردیا، حالانکہ وہ ولی نہین ہوسکتی تھین، اور نہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ وہ اس مسئلہ سے ناواقف تھین، کہ بالغ لڑکی کو اپنے نکاح کا اختیار کہان تک ہے؟ اور ایسا نکاح جائز ہے یا نہین، اس کے بعد کا واقعہ یہ ہے کہ لڑکی کے باپ عبدالرحمن سفر سے واپس آئے اور ان کو اس نکاح کا حال معلوم ہوا تو انھون نے اس بات پر ناراضی ظاہر کی اور کہا کہ مجھ جیسے (معزز) لوگون کی لڑکیان بھی باپ کی رائے لیے بغیر بیاہ دی جاتی ہین؟ حضرت عائشہؓ نے رفع نزاع کے لیے لڑکے سے اس کا تذکرہ کیا، لڑکے نے کہا مین اس کا اختیار عبدالرحمان (لڑکی کے باپ) ہی کے ہاتھ مین دیدیتا ہون، یعنی وہ چاہین تو میری طرف سے لڑکی کو طلاق دیدین، عبدالرحمان نے حضرت عائشہؓ سے کہا جو بات آپ کرچکی ہین اس کو رد نہین کرسکتا، چنانچہ یہ نکاح قائم رہا، اور یہ طلاق نہین سمجھی گئی،

اب سوال یہ ہے کہ اگر بالغ لڑکی کے نکاح کے جواز مین باپ کی رضامندی شرط ہے تو یہ نکاح کیونکر جائز ہوسکتا تھا، اور جب نہین جائز ہوسکتا تھا تو اس مین تملیک اور طلاق کی اجازت دینے کے کیا معنی ہوسکتے تھے، اور پھر بعد کو باپ کی رضامندی ظاہر کردینے سے امر فاسد صحیح کیونکر ہوسکتا تھا، اس کے صاف معنی یہ ہین کہ حضرت عائشہؓ نے بالغ لڑکی کے اختیار اور حق کو سمجھکر صرف اسکی اجازت سے اسکے باپ کی اطلاع کے بغیر اس کا نکاح کردیا، اور باپ کی واپسی کے بعد اخلاقی طور سے خانگی نزاع کو روکنے کے لیے یہ تدبیر کی کہ لڑکے سے یہ کہوا دیا کہ عبدالرحمان کو مین اپنی طلاق و مفارقت کا اختیار دیدیتا ہون، وہ جو چاہین کرین، عبدالرحمان اس سے خوش ہوگئے نزاع جاتی رہی، پھر عبدالرحمنؓ بھی یہ نہین کہا کہ میری موجودگی کے بغیر نکاح جائز نہین ہوا، بلکہ یہ کہا کہ مجھ جیسے لوگون کے ساتھ بھی ایسا کیا جاسکتا ہے اور مجھ جیسے لوگون کی رائے لیے بغیر بھی ایسا فیصلہ

[1] موطا امام مالک ما لا یبین من التملیک،

کیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ صرف خاندانی غرور اور نسبی جاہ اس ناراضی کا باعث تھا، کوئی شرعی مسئلہ کی صورت نہ تھی،

اسی طرح حضرت علیؓ کے عہدِ حکومت کا واقعہ ہے کہ ایک ماں نے اپنی لڑکی کی رضامندی لیکر اُسکا نکاح کر دیا، بعد کو اس کے اولیاء نے حضرت علی مرتضیٰؓ کی عدالت مین یہ مقدمہ پیش کیا، حضرت علیؓ نے اس نکاح کو جائز قرار دیا[1]،

ان تمام احکام اور واقعات پر نظر ڈالنے سے یہ بھی بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کی شریعت نے لڑکیون کو اس معاملہ مین تمامتر آزادی عطا کی ہے، اور وہ پوری طرح اسکی ذمہ دار ہین، اگر اس نئی زندگی کے اختیار کرانے اور رفیقِ حیات کے انتخاب اور منظوری مین اسلام کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہین ہے، اگر مسلمان لڑکیان اس بار مین عملاً اپنے کو معذور و محض اور مجبور خیال کرین تو یہ رسم و رواج اور نقصِ تربیت کا اثر ہوگا، اسلام اس گناہ سے قطعاً پاک اور بری ہے، ضرورت ہے کہ مسلمان لڑکیان اپنے والدین کی رضاجوئی کے ساتھ ساتھ اپنے جائز حق کو کام مین لائین، اور خود والدین کو اپنی آئندہ زندگی کے مسئلہ مین مدد دینے کی کوشش کرین، گذشتہ واقعات مین تم نے دیکھا کہ صحابیات رضی اللہ عنہن اپنے معاملہ مین کس صفائی اور خوبی کے ساتھ آنحضرت صلعم تک اپنے مطالبہ کو پیش کرتی تھین، ایسا کرنا نہ تو سوءِ ادب ہے اور نہ جائز حدود سے باہر قدم نکالنا ہے،

آئندہ سلسلہ مین ان مسائل پر مزید روشنی ڈالنے کا قصد ہے، والامر بید اللہ تعالیٰ،

---

[1] مبسوط امام سرخسی جلد ۵ صفحہ ۱۰

ترکی ادبیات کے تین دور

از مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین

مصر کے مشہور انشاپرداز شیخ محب الدین الخطیب مدیر الزہراء نے اپنے رسالہ (جلد ۳ نمبر ۷) مین ترکی ادبیات پر ایک بسیط مضمون سپردِ قلم کیا ہے، جسمین پہلے قدیم ترکی ادب یعنی ان کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے سے پیشتر کی ادبیات سے بحث کی ہے، پھر ترکی ادبیات کے تین دور قائم کئے ہین، جنمین پہلا دور اسلامی ہے یعنی وہ دور جسمین وہ عربی اور فارسی ادبیات سے متاثر ہوئی، دوسرے مین اس دور سے بحث کیگئی ہے جس مین ترکی شاعری یورپ کے ادبیات سے مستفید ہوتی ہے، پھر تیسرے دور مین موجودہ ترکی شاعری سے بحث کیگئی ہے، اور جسکو مقالہ نگار نے "فرنگی تورانی ادب" سے تعبیر کیا ہے،

اہلِ ہند جہان ترکون کے سیاسی کارنامون کے ایک ایک حرف سے واقف ہین، وہان انکے ادبیات سے قطعاً لاعلم ہین، اسی بنا پر اس مضمون کا خلاصہ اردو مین منتقل کرنا ضروری نظر آیا، تاکہ اس حیثیت سے بھی ترکون کے کارنامون سے ان کو واقفیت ہو،

"سید ریاست علی ندوی"

ترکون کی قدیم شاعری

قدیم ترکی ادب ترکون کا اپنے قدیم ترکی ادب کے متعلق خیال ہے کہ اسکی تاریخ ماضی کے پردہ مین چھپ گئی

کیونکہ ترکی قوم زمانۂ تاریخ سے بہت پہلے کی قوم ہے، اور تاریخ اس قدیم قومیت کے سامنے بالکل نوخیز ہے، اسی لیے اس کے دسترس سے بالاتر تھا کہ اس قوم کے قدیم ادبیات کے متعلق کچھ لب کشائی کر سکتی"

لیکن ترکون کی یہ توجیہہ صحیح نہین کیونکہ ان پر زمانۂ قبل تاریخ کے بعد زمانۂ تاریخ مین بھی ایسے متعدد دور گذرے ہین، جبمین ترکی ادبیات کا تذکرہ مل سکتا تھا، چنانچہ تاریخ کے صفحات مین ان کا ایک وہ دور موجود ہے جبمین انھون نے اسلام سے دو صدی پیشتر "ابتلا" کی سرکردگی مین یورپ پر غارت گری کی، پھر ایک وہ زمانہ آیا، جبمین عرب، بلادِ ترک کو فتح کرتے ہوئے ماوراء النہر کی طرف پہنچے، پھر معتصم عباسی کے ایامِ خلافت سے ان کا ایک ایسا زمانہ شروع ہوتا ہے جس مین وہ اسلامی لشکر مین فوجی خدمات انجام دینے لگے، پھر وہ ہولناک ساعت آئی جب ترکون نے ہلاکو خان کی قیادت مین اسلامی تہذیب و تمدن کا بغداد مین خاتمہ کر دیا، اور اسی وقت سے عثمانیون کے ظہور سے بہت پہلے انکی ایک جماعت نے اناطولیہ کو مستقر بنالیا، لیکن کیا وہ ان مین سے کسی ایک دور مین اپنے ترقی پذیر ادبیات کا کوئی نمونہ پیش کر سکتے ہین؟

حقیقت یہ ہے کہ جس قوم کے یہان قدیم ادبیات کا سرمایہ اس کے اسلام لانے سے پیشتر موجود تھا، اسکو تاریخ نے اپنے صفحات مین محفوظ رکھا، جیسا کہ ایران، ہندوستان اور چین کی قدیم ادبیات کا سرمایہ محفوظ ہے، اس لیے ہمین اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ ترک جب کوہستان الطائی اور صحرائے توران مین خانہ بدوش تھے، اس وقت وہ لطیف ادبی دلچسپیون سے آشنا نہ تھے، ورنہ عرب، یونان، چین، ہندوستان اور ایران کے قدیم ادبیات کے مثل تاریخ مین ان کے قومی ادب کو بھی ضرور جگہ ملتی، اس لیے ترکی ادبیات کی تاریخ بھی ان کے دورِ اسلامی سے شروع ہوتی ہے۔

اسلامی دور،

ترکی لہجے

ترک صحرائے توران سے ایشیائے کوچک کی طرف دو راستون سے آئے، ان مین سے ایک راستہ کاشغر، فرغانہ اور سمرقند ہوتے ہوئے ایران کو اور پھر وہان سے عراق کو جاتا ہے، اور دوسرا راستہ خراسان مین

ساحلِ جیحون کو اختیار کر کے جنوبی سواحل کی طرف بحرِ خزر مین ہوتے ہوئے کوہ قاف کو طے کر کے اناطولیہ کو آیا ہے، ان دونون راستون سے ترکون کے دو لہجے مشرق ادنی مین آئے، پہلے راستہ سے جو لہجہ منتقل ہو کر آیا وہ "لہجۂ خاقانیہ" کہلاتا ہے اور جو لہجہ دوسرے راستہ سے آیا وہ "لہجۂ اوغوزیہ" کہا جاتا ہے، اور یہی دوسرا لہجہ اناطولیہ مین ترکمانون کی زبان پر ابتک باقی ہے،

ترکون کے قدیم شعراء

یہ عجب اتفاق ہے کہ ترکی شاعری تمام تر لہجۂ اوغوزیہ مین ہے لیکن ترکی شاعری مین سب سے قدیم تر نظمین جو محفوظ رہ سکین وہ پہلے لہجہ "خاقانیہ" مین ہین، یہ نظمین ایک مشہور بزرگ احمد یسوی کی ہین، جو ترکی صوفیہ مین طریقۂ یسویہ کے بانی کہے جاتے ہین، اور جنکے اتباع اس وقت بھی مشرقی ترکون مین پائے جاتے ہین، اور ان لہجۂ خاقانیہ کی نظمون کے بعد دوسرے لہجہ "اوغوزیہ" مین قدیم ترین نظمین بہاء الدین صدیقی قرشی کی ہین، جو سلطان ولد کے نام سے معروف ہین شیخ بہاء الدین مولنٰا جلال الدین رومی کے صاحبزادے ہین، اور مولانا روم کو فارسی شاعری مین جو عظمت حاصل ہے وہی ان کے صاحبزادے کو ترکی شاعری مین حاصل ہے، بلکہ شاعری کا موضوع بھی دونون کا ایک ہی ہے، چنانچہ شیخ بہاء الدین اور احمد یسوی کی نظمون کا موضوع بھی زہد و اتقاء اور دیگر معانیِ تصوف ہے،

دنیا کی تمام قومون کی ادبیات مین شعراء کا ایک ایسا خاص طبقہ بھی ہوتا ہے جو عوام کے لہجہ مین انکی عام ذہنیت کے مطابق اظہارِ خیال کرتا ہے، چنانچہ ترکی ادبیات مین بھی یہ طبقہ موجود ہے، جسکا سرخیل ایک شخص یونس امرہ نام سمجھا جاتا ہے، یونس آج سے سات صدی پیشتر شہر بولی کے قرب و جوار مین خانہ بدوش پھرا کرتا تھا، اسکی شاعری کا لب لباب ترغیب و ترہیب ہے، اور اپنی شاعری مین کائناتِ عالم کی عظمت و شان سے باری تعالیٰ کی عظمت و بزرگی پر استدلال کرتا ہے،

قدیم شعرائے ترکون کو شکایت

ترکون کو اپنے شعرائے متقدمین خصوصاً مولانا جلال الدین رومی کے صاحبزادے سے عام شکایت ہے کہ وہ اظہارِ مطالب مین عربی و فارسی زبانون سے استمداد کرتے تھے، لیکن وہ اس حقیقت

کو خراموش کر جاتے ہین کہ اگر شعرائے متقدمین صرف ترکی زبان پر قناعت کرتے تو ان کے کلام مین سطحی خیالات کے سوا، اور وہ بھی نہایت غیر مؤثر طور پر، کوئی شے نظر نہین آتی چنانچہ یونس امرہ کی مثال موجود ہے، اسکی شاعری مین صرف ترکی زبان کے الفاظ ہین، اور اس نے شاید عمداً اس مین اپنی شاعری محدود رکھی، اسی بناپر نہ اسکی شاعری مین کوئی سلاست ہے، اور نہ جذبات مین پاکیزگی اور بلند خیالی پائی جاتی ہے، کیونکہ وہ صرف ترکی زبان مین محدود ہونے کے باعث بہت سے بلند خیالات اور پاکیزہ جذبات کے ادا کرنے سے قاصر رہا، جو اسکی شاعری سے صاف طور پر عیان ہوتا ہے، اس موضوع پر آگے چلکر کچھ تفصیلی نظر ڈالی جائیگی،

ترکی زبان کے ساتھ سلاطین کا اعتناء

جس شخص نے مشرق ادنی مین ترکی زبان کو سب سے پہلی مرتبہ سرکاری زبان کے مرتبہ پر پہنچایا وہ امیر قرمان ہے، جو سلجوقیون کے بعد قونیہ کا والی تھا، قرمان کا باپ ایک ارمنی نژاد تھا، جو بعد مین اسلام لایا، اور زہد و تقوی مین اس درجہ مشہور ہوا کہ اس کا نام ہی شیخ نورالدین صوفی مشہور ہوگیا، شیخ موصوف کو ترکی قوم کے درمیان خاص منزلت حاصل تھی، اسلئے جب اس کا لڑکا امارت پر سرفراز ہوا تو اس کے باپ کی وجہ سے قوم مین اسکو غیر معمولی ہردلعزیزی حاصل ہوئی، اسی لیے لوگ اس کے امتثالِ امر کے لیے ہمیشہ تیار رہتے اور اسکی جانب سے جو تحریک اٹھتی اس کا خاص خیر مقدم کیا جاتا،

چنانچہ جب اس نے ترکی زبان کو سرکاری زبان قرار دیا تو کسی طرف سے مخالفت کی کوئی صدا بلند نہین ہوئی بلکہ بہت جلد حکومت کے تمام صیغون مین رائج ہوگئی، اس سے پہلے فارسی زبان حکومت کی سرکاری زبان، اور عربی دینی اور علمی زبان تھی، لیکن جب ترکی زبان کے ساتھ یہ اعتنا کیا گیا تو اس نے ارتقائی منزلین طے کرنا شروع کیا، اور انھین دونون زبانون کے سایہ مین پھولنے پھلنے لگی، اور رفتہ رفتہ اس نے انھی دونون باغون کے گلہائے رنگارنگ سے اپنے دامن کو مالامال کرلیا،

اس کے بعد عثمانیون کا دور آیا تو انھون نے ایک خاص انداز مین اس کی ایسی پرورش شروع کی کہ وہ دنیائے ادب مین ایک خاص نام، "عثمانی ترکی" سے روشناس ہوئی، یہ زبان "عثمانی ترکی" اصل مین فارسی و

عربی الفاظ کے ساتھ زبان ترکی کے افعال، اسماء اور حروف کی ترکیب سے پیدا ہوئی، اور مختلف اجتماعی دور دن کے اختلاف اور ضروریاتِ شعر کے لحاظ سے مختلف زبانون مین کسی قدر ایک دوسرے دور سے مختلف رہی،

ترکی ادبیات حکومت عثمانیہ کے پیشرو فرمانرواؤن کی رہینِ منت نہین، کیونکہ ان مین سے عثمان اول اور مراد اول تو بالکل امی تھے، وہ خدمت کیا کر سکتے، اور ان دونون کے درمیان مین جو فرمانروا گذرے وہ ایک محدود رقبہ پر حکمران تھے، اس لیے وہ بھی ترکی ادبیات کی کوئی قابلِ ذکر خدمت انجام نہ دے سکے، آخر بایزید اول کا دور آیا، عثمانیون مین اسی نے سب سے پہلے سلطان کا لقب اختیار کیا، اور اس نے نہایت شاندار اور پر شوکت محلون کو اقامت گاہ بنایا، پھر محمد فاتح، سلیم اور سلیمان کا زمانہ آیا تو انھون نے حکومت بزنطی اور شاہانِ مصر کے متروکات سے بہرہ اندوز ہو کر حکومت عثمانیہ کی جلالت و شان کو معراجِ کمال پر پہنچا دیا،

حکومت کی اس شان و شوکت کے تذکرہ سے مقصود یہ ہے کہ انھی فلک بوس شاہی محلات نے ترکی ادبیات کی نشو و نما مین بڑی معاونت کی، لیکن آج کے سادہ لوح نوجوانانِ ترک، ترکی ادبیات کے اس دور پر اسلیے معترض ہین کہ وہ فقط لفظی صناعتون پر قائم ہے، اور اس نے دین اسلام اور فارسی ادبیات کی تقلید کی خاطر ترکی قومیت کی روح کو فنا کر دیا، اور یہ ترکی ادبیات کا ایسا شخصیت پسند دور ہے جسکا مطالعہ صرف اس عقیدہ تک رہنمائی کرتا ہے کہ "جو کچھ ہے وہ شاہی محلات ہین"

لیکن نوجوانانِ ترک مین جو فہمیدہ و سنجیدہ طبقہ ہے، اور جو تحریکِ قومیت کا بھی سب سے بڑا شیدائی ہے وہ خوب سمجھتا ہے کہ ترکی ادبیات کے اس دور کو چھوڑ دینے کے بعد ان کے ہاتھون مین کیا رہ جاتا ہو؟ کہ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ دور اسلامی سے پیشتر ترکی ادبیات کا صفحہ سادہ ہے، اس لیے اسکی شاندار تاریخ انھی شاہی محلات کے شعراء کے ادبی سرمایہ سے شروع ہوتی ہے، اسلیے اگر انھون نے اس دور کو نظر انداز کر دیا تو پھر ان کے قومی ادبیات کی تاریخ اس پچھلے دور سے متجاوز نہ ہوگی جبکہ ترکی ادبیات یورپ کے ادبیات سے متاثر ہوتی ہے،

چنانچہ ترکوں کے مایۂ ناز ادیب اسمٰعیل حبیب نے ایک کتاب "ترکی ادبیات کی جدید تاریخ" لکھی ہے جس کو وزارت معارف ترکی نے گذشتہ سال خاص اہتمام سے شایع کیا ہے، اس میں وہ لکھتے ہیں "ادب عثمانی پر یہ باطل خیال آرائیاں صحیح نہیں ہیں، کیونکہ جو ادب چھ صدی تک زندہ رہ چکا ہو وہ ایک لازوال ادب ہے، ہم اسکو کسی طرح بھی اس ادعا کے ساتھ مبتذل نہیں کہہ سکتے کہ وہ ایک مصنوعی لٹریچر ہے، یا وہ محض تقلید و تتبع کا ثمرہ ہے، قوم کا ادب اسکی زندگی کا آئینہ ہے، اگر وہ مصنوعی ہے تو اس کی ترکیب بھی اس قوم کی اجتماعی زندگی کے مناظر کی تصویر ہوگی، اور یہ ممکن نہیں کہ قوموں کی اجتماعی زندگی ایسی ہو، اور حقیقت یہی ہے کہ کوئی ادب چھ صدی تک اس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتا جب تک کہ اس میں زندگی کے عناصر موجود نہ ہون، اور اگر اس پر تصنع و نمائش کا غلبہ ہے، اگر اسکی حیثیت ایک اسلامی یا صوفیانہ ادب کی ہے تو بھی ہم اس وقت تک اسکو علٰحدہ نہیں کر سکتے، جب تک اسلام و تصوف اس قوم کی اجتماعی زندگی میں موجود ہیں، اور درحقیقت کسی ادب کو مصنوعی صرف اسی وقت کہا جا سکتا ہے، جب کہ وہ اس قوم کی اجتماعی زندگی کی ترجمانی نہ کرتا ہو، اور جب وہ ہماری پچھلی تاریخ کی تصویر ہے تو اسکی اچھائی اور برائی کا الزام تاریخ پر ہے نہ کہ ان ادبیات پر، اس سلسلہ میں اصل غلطی جو ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ ہم اس عہد کو دورِ حاضر کے خیالات و معتقدات کی عینک سے دیکھتے ہیں، اور اسی لحاظ سے اس پر خیال آرائیاں کرتے ہیں حالانکہ ہمیں اُس زمانہ پر اوسی زمانہ کی ضروریات و مقتضیات کے لحاظ سے نظر ڈالنی چاہئے"[1]

قدیم شعراء اور دیگر زبانیں

اور مؤلف کو یہ بھی اعتراف ہے کہ ترکی زبان پر اسلامی شعراء کے طرزِ بیان کی صیقل ہونے سے پیشتر وہ بہت سے خیالات کے ادا کرنے سے قاصر تھی، اور ان اسلامی شعراء کے لیے یہ بہت آسان تھا کہ وہ اپنے پاکیزہ خیالات کو فارسی زبان میں بآسانی ادا کر لیتے، چنانچہ شیخ محمد بن سلیمان[2] بغدادی نے جو ترکی نظم و نثر پر خاص قدرت رکھتے تھے، اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے اس لیے باوجود اس کے ان

[1] ترکی ادبیات کی جدید تاریخ ص ۳۰۳، [2] یہ ترکی ادبیات کی تاریخ میں "فضولی" کے نام سے معروف ہیں ہوتی

لوگوں نے اپنے خیالات کی ترجمانی کے لیے ترکی زبان کو ترجیح دی لیکن جن مواقع پر وہ ترکی کی کم مائگی اور بے بضاعتی کے باعث مطالب کے ادا کرنے میں قاصر ہوئے وہاں وہ عربی و فارسی سے استعانت کرنے پر مجبور رہتے اور سب سے زیادہ پر لطف اور اس کے ساتھ المناک امر یہ ہے کہ آج جو جماعت اپنے اسلاف کو عربی و فارسی الفاظ کے استعمال پر موردِ طعن و طنز بنائے ہوئے ہے، اس وقت وہی جماعت نہایت فخر و انبساط سے ترکی زبان میں یورپ کی زبانوں کے الفاظ کو بکثرت استعمال کرتی ہے،

کیا اسلاف کی مساعیِ جمیلہ کا جنھوں نے ترکی کو سہل ترین ادبی زبان کی صف میں داخل کیا یہی بدلہ ہے، نوجوانانِ ترک اس سے بخوبی آگاہ ہیں کہ ترکی زبان کے اصول و قواعد سب سے پہلے انھیں عربوں نے وضع کئے، ابوحیان اندلسی کی کتاب "الادراک الی لسان الاتراک" ترکی صرف و نحو پر اب بھی موجود ہے، جو سلطان عبدالحمید کے زمانہ میں قسطنطنیہ میں طبع ہوئی تھی، اسی طرح شریف جمال الدین احمد بن مہنا صاحب کتاب عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب کی کتاب حلیۃ الانسان وحلبۃ اللسان، ایرانیوں، ترکوں اور مغلوں کے لغت میں ہے، یہ بھی اتحادیوں کے زمانہ میں قسطنطنیہ میں طبع ہو چکی ہے،

دورِ اسلامی کے ممتاز شعراء

اسمٰعیل حبیب بک نے دورِ اسلامی کے ممتاز و چیدہ شعراء پر نہایت بلیغ الفاظ میں رائے زنی کی ہے،

محمد بن سلیمان بغدادی کے متعلق لکھتے ہیں "وہ جذبات رنج و غم کا ایک بہترین مصور ہے" شاعر باقی (۹۳۳ھ تا ۱۰۰۸ھ) کے متعلق جو علمی مرتبہ کے لحاظ سے معراجِ کمال پر پہنچا تھا، لکھتے ہیں "اس نے اپنی شاعری سے لوگوں میں احساسِ غیرت اور عیب بینی

[1] بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) کے شہر میں پیدا ہوئے، بغداد میں نشو و نما پائی، فارسی و ترکی ادب میں خاص تبحر تھا، جب ۹۴۰ھ میں سلطان سلیمان قانونی کی فوج نے صفویوں سے بغداد کو چھین لیا، تو محمد بن سلیمان بعض امرائے حکومت کی خدمت میں باریاب ہوئے اور ان کو بغداد کے اوقاف میں سے کچھ وظیفہ مل گیا، لیکن بعد میں منتظمین اوقاف نے کچھ برا سلوک کیا، اور اسکی شکایت لیکر آستانہ پہنچے، ان کا شمار ترکی شعراء کے طبقۂ اول میں کیا جاتا ہے، ان کے سنہ وفات میں اختلاف ہے، صاحب کشف الظنون کی روایت کے مطابق سنہ ۹۶۳ھ میں وفات پائی، اور صاحب قاموس الاعلام نے سنہ ۹۶۹ھ بتایا ہے، اور محمد جلال بک کے بیان کے بموجب ۹۷۰ھ ہے،

کا جوہر پیدا کیا، "نفعی شاعرہ کے متعلق جو سلطان مراد رابع کی ندیم خاص تھی یون اظہار خیال کیا، "وہ ایسی آبشار تھی جسمین شان وعظمت کی موجین متلاطم رہتی تھین" ندیم کے متعلق لکھتے ہین، جو بارھوین صدی کا ترکی شاعر ہے، "اسکی شاعری مین نشاط وطرب کی روح حالتِ وجد تک پہنچ گئی تھی" اور شیخ غالب مولوی (سنہ ۱۱۷۱ھ - سنہ ۱۲۱۳ھ) کی شاعری کے متعلق یہ الفاظ کہے، "اسکی شاعری مین رنگ برنگ کے خیالات کی جھلک پیدا ہوتی ہے"[1] یہ سب دور اسلامی کے یہی ممتاز ترین شعرا تھے،

ادب ترکی پر یورپ کی بیداری کا اثر اور دورِ اسلامی کا زوال

یورپ کی عام بیداری صنعت وحرفت، علم وفن، اور آداب ومعاشرت مین اسکی عہد بہ عہد کی ترقی اور ادھر ترکی ادبیات مین دور اسلامی کا انحطاط دونون بیک وقت شروع ہوئے، کیونکہ ادب قومون کی زندگی کا آئینہ ہوتا ہے اس لیے جس دور مین اس کے جو خط وخال ہونگے وہی اس مین نمایان ہوتے ہین، یورپ کی حیرت انگیز ترقی نے ترکون کی نگاہین خیرہ کردین، اسلیے رفتہ رفتہ ان کی دلچسپیان ان تمام چیزون سے ختم ہوگئین جنمین "قدامت" کا کوئی ادنی شائبہ موجود تھا،

لیکن اس کا خطرناک اثر یہ مترتب ہوا کہ سرے سے ترکی شعر وشاعری ماند پڑگئی، اور قریب تھا کہ ترکی ادبیات کا سلسلہ منقطع ہوجائے، سلطان سلیم ثالث نے سنہ ۱۲۰۶ھ مین اس خطرہ کو محسوس کرکے اصلاح کی کوشش کی، اور اعیانِ حکومت کو طلب کرکے ایک مجلسِ شوری منعقد کی اور شعرا کو اپنا دلچسپ مشغلہ جاری کرنے کی ترغیب دی، لیکن یہ جد وجہد یورپ کی طرف ترکون کے بڑھتے ہوئے شوق کا سدِباب نہ کرسکی، اور نہ شاعری مین کوئی زندگی پیدا ہوئی اسلیے سلطان محمود ثانی نے سنہ ۱۲۴۱ھ مین ایک دوسری تدبیر اختیار کی، اور نوجوانانِ ترک کو یورپ کی نظمون کو ترکی مین منتقل کرنے کی طرف مائل کیا، اور پھر سنہ ۱۲۵۵ھ تک یہ تحریک حکومت عثمانیہ کا ایک خاص مشن بن گئی، چنانچہ سلطان عبد المجید نے مصطفےٰ رشید پاشا صدر اعظم کی مساعیِ جمیلہ سے نوجوانانِ ترک کے درمیان اس تحریک کی فرمانِ سلطانی کے ذریعہ عام اشاعت کی، کہ وہ یورپ کی بہتر نظمین ترکی زبان

[1] ترکی ادبیات کی جدید تاریخ ص ۲۱

مین منتقل کرین، جسمین خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی،

چنانچہ اسی فرمان سلطانی سے ترکی ادبیات کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے، جس مین نوجوانانِ ترک یورپ کی ادبی دنیا کی طرف مائل ہوتے ہین،

ترکی شاعری کا دوسرا دور

یورپ کے ادبیات سے اثر پذیری

ترکی ادبیات کے احیاء کا کام اس وقت شروع ہوا جبکہ رشید پاشا (سنہ ۱۲۱۳ھ سنہ ۱۲۷۴ھ) ترکی مین سیاسی انقلاب کے علمبردار تھے، رشید پاشا خود اس تحریک کے زبردست حامی تھے، لیکن ان کے سیاسی مشاغل انھین اتنی فرصت نہ دے سکتے تھے کہ وہ ادبی انقلاب کا علم بھی اپنے ہی ہاتھ مین رکھین، اس لیے عاکف پاشا (سنہ ۱۲۰۴ھ - سنہ ۱۲۶۱ھ) نے یہ تحریک اپنے ہاتھ مین لی، اور اپنی بہترین مساعی سے ادبی دنیا مین بہت جلد انقلاب برپا کردیا، چنانچہ ترکون کے مایہ ناز ادیب نامق کمال بک نے سنہ ۱۲۸۳ھ مین ایک مقالہ "تصویرِ افکار" مین یہ حقیقت آشکارا کی ہے،

شناسی آفندی

عاکف پاشا کے بعد مشہور نوجوان شناسی آفندی (سنہ ۱۲۴۲ھ - سنہ ۱۲۸۸ھ) اور جس شخص نے ترکی ادبیات کی صنعت کا قالب بدلا اسکا نام آتا ہے، ترکی ادب کے طرزِ تحریر اور اسلوبِ بیان مین انقلاب پیدا کرنے کا سہرا انھین کے سر ہے، انھون نے بچپن مین موسیو شاتانوف سے فرانسیسی زبان سیکھی تھی، پھر اقتصادیات کی تعلیم کے لیے یورپ سے ہو آئے تھے، وہان ان کو فرانسیسی شعرا سے ملنے کا کافی اتفاق ہوا تھا، اور خصوصاً مستشرق دی ساسی اور ارنسٹ رینان سے خاص تقرب حاصل تھا، اسلیے جدید ضروریات اور یورپ کی ادبی ترقی سے خوب آگاہ تھے اور اسی طرز پر ترکی ادبیات کو لانا چاہتے تھے، لیکن افسوس ہے کہ تحصیلِ علم کے بعد عملی زندگی مین زیادہ تر سیاسیات سے وابستہ رہے، مگر اس کے باوجود اپنے رسالہ "ترجمانِ احوال" اور پھر "تصویرِ افکار" کے ذریعہ انھون نے ترکی زبان کی نمایان خدمت انجام دی، اور اسلوبِ زبان مین اصلاح کرنے کے ساتھ زبان کو مہمل بدائع اور لفظی الٹ پھیر سے نجات دلائی،

باوجودیکہ انکی مساعی سے ترکی زبان کو گرانقدر فوائد حاصل ہوئے، اور انھون نے طرزِ تحریر اور اسلوبِ بیان کی ایک خاص بنیاد قائم کی لیکن افسوس ہے کہ اپنے اصول مین ایک حد تک کچھ متجاوز ہوگئے جیسا کہ ہر تحریک کے بانی نول سے [illegible] کو تسلیم ہے کہ اسکا احساس بہت جلد خود ان کے ارشد تلامذہ نامق کمال بک، عبدالحمید ضیا پاشا، محمود اکرم بک اور عبدالحق حامد کو ہوگیا، اسلیے ان لوگون نے اور ان کے بعد خالد، ضیا، توفیق، فکرت، اور جناب شہاب الدین وغیرہ نے اپنے پیشرو کی کامل تقلید کرنے کے بجائے ایک درمیانی راہ اختیار کرکے اس پر گامزن ہوئے، چنانچہ ان کے مخلص دوست اور لائق شاگرد ضیا پاشا (سنہ ۱۲۴۳ - سنہ ۱۲۹۰) نے ترکی طرزِ تحریر کے قدیم اسلوب کو لیے ہوئے بغیر کسی "تحریکِ اصلاح اور ادعائے تجدید" کے نہایت متانت آمیز طریقہ سے جدید اسلوب کو اختیار کیا، جسکی اکثر تذکرہ نویسون نے نہایت مدح و توصیف کی ہے،

ترکی ادبیات کے اساطین اربعہ اسمٰعیل حبیب کی رائے ہے کہ ترکی ادب کے اس جدید دور کے اساطین اربعہ، عاکف پاشا، ادہم پرتو پاشا، شناسی آفندی، اور ضیا پاشا ہین، ان مین سے عاکف اور ادہم کا شمار ترکی شاعری کا قالب بدلنے والون مین ہے، شناسی اگرچہ کوئی بہترین شاعر اور جادو نگار انشا پرداز نہین، لیکن انھون نے ان دونون کے مقصد کی تکمیل کرتے ہوئے ایک سادہ سلیس انشا پردازی اور ادبی صحافت کے ایک اعلیٰ نمونہ کی بنا ڈالی، اور ضیا پاشا نے ایسے قدیم اسلوب مین شاعری کی جو دورِ حاضر کے مطابق تھی،

نامق کمال بک اور جب جدید ادبیات کی صبحِ سعادت طلوع ہوچکی تو ایک بہترین انشا پرداز نامق کمال (سنہ ۱۲۵۶ - سنہ ۱۳۰۶) پیدا ہوا جس نے شناسی کی پیروی کرتے ہوئے اسکی بساطِ ادب سے اپنے نظم و نثر کو بلند ترکیا، اور نیز اس کے اسلوب مین جو کمزوریان یا زیادتیان تھین انکی اصلاح بھی کی اس لیے اس کا ایک خاص اسلوبِ بیان پیدا ہوگیا، جسکی پاکیزگی و ندرت کے باعث اسکی شاعری بہت زیادہ مقبولِ انام ہوئی،

اکرم نامق کمال کے نام کے ساتھ ہی اکرم اور حامد کے نام یاد آتے ہین، اکرم (سنہ ۱۲۶۳ - سنہ ۱۳۳۱) اگرچہ نامق کمال کی طرح شیرین بیان نہین اور نہ حامد کے مثل اس کے شاعرانہ خیالات ہین، لیکن اس مین شک نہین

کہ وہ سلامتِ ذوق، صحتِ زبان، اور اسلوبِ بیان کی سلاست کے لحاظ سے خاص امتیاز رکھتا ہے،

عبدالحق حامد دورِ حاضر مین ترکون کے درمیان عبدالحق حامد بک (المولود سنہ ۱۲۶۷ھ) شاعری مین سب سے بڑا استاد تسلیم کیا جاتا ہے، ان کے متعلق اسمٰعیل حبیب بک کی رائے ہے کہ "ان کی شاعری مین ترکی ادبیات کے دورِ اول کے شعرا کے کلام کا پرتو نہایت صحیح انداز مین موجود ہے، اور ایرانی شعرا مین سے حافظ شیرازی، سعدی، فردوسی، اور خیام، پھر دوسری طرف یورپ کے شعرا مین سے کورنی، راسین، ہیگو اور شکسپیر کے کلام کی روح موجود ہے"

ممکن ہے ان توصیفی الفاظ مین مبالغہ کی جھلک نظر آئے، لیکن چونکہ ترکون کے ادبیات کی قدیم و جدید تاریخ مین حامد کا کوئی نظیر موجود نہین، اسلیے وہ ان کے متعلق زیادہ سے زیادہ کہنے کا حق رکھتے ہین، مگر اس سے قطعی انکار نہین کیا جاسکتا کہ اس نے ترکی شاعری مین جدید خیالات کی ترجمانی بہترین اسلوبِ بیان اور سلیس بندش مین کی، اور اس کے ہمعصر اور بعد کے تمام شعرا نے ان کے اتباع کی کوشش کی، اور ان مین سے اکثر کامیاب ثابت ہوئے،

اور حقیقت یہ ہے کہ حامد نے جب سے شاعری شروع کی اس وقت سے آج تک اسکی حیثیت ایک امامِ فن کی رہی ہے، اور غالباً آئندہ شعرا بھی اوسی کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرینگے، اسی لیے ترکی ادبیات کی تاریخ مین اس کو سب سے نمایان جگہ ملی ہے، چنانچہ اسمٰعیل حبیب کی کتاب کی ضخامت ۶۹۰ صفحے ہے جنمین سے ۱۱۵ صفحے صرف حامد کے لیے مخصوص ہین، اور کہا جاتا ہے کہ پھر بھی بحث تشنہ ہے، اور یہی خیال عام طور پر قائم ہے، کہ حامد کے متعلق جو کچھ لکھا جاسکتا تھا، اسمٰعیل حبیب نے اس کا عشر عشیر بھی نہین لکھا،

حضرت پیر روشانؒ

اور

فرقہ روشنائی

از

مولوی نیاز الدین خان صاحب دانشمند انصاری پنشنر جج بستی دانشمندان جالندھر

اکبر کے عہد سلطنت مین پنجاب کی سرحد پر ایک روشنائی فرقہ پیدا ہوا تھا، اس کے پیرو زیادہ تر پٹھان اور افغان تھے، انھون نے سلطنت کے خلاف کئی بغاوتین کین، ان کے دبانے مین سلطنت کو کافی دقتین پیش آئین، ہندوستان کے عام مورخین نے ان واقعات کا ذکر کیا ہے لیکن ان سے اس فرقہ، اور اُس کے خیالات وعقائد اور اس کے بانی کے متعلق کوئی علم نہین ہوتا، مولوی نیاز الدین خانصاحب نے جنکو خود اس خاندان سے تعلق ہے، اپنی خاندانی فارسی تاریخ تذکرۃ الابرار سے جسکا وہ اردو مین ترجمہ کر رہے ہین، اور جسمین پیر روشانؒ کے حالات درج ہین، کچھ حصہ ہمارے پاس اشاعت کی غرض سے بھیجا ہے، اس مین جا بجا خود پیر روشان کی تصنیفات سے اقتباسات درج ہین، جسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک صوفی صافی بزرگ تھے، اور مذہبی صوفیانہ خیالات رکھتے تھے، بزرگون کے عام تذکرون کی طرح جنمین تاریخی، علمی اور اخلاقی حالات کی جگہ کرامتین لےلیتی ہین، جسے دوسرون کو کچھ فائدہ نہین پہنچ سکتا، یہ تذکرہ بھی معلوم ہوتا ہے،

"معارف"

پیشتر اس کے کہ ہم حضرت پیر روشان کے حالات بیان کرین ہندوستان کے چند نامور مورخون کی وہ رائین درج کرتے ہین جو انھون نے اپنی تاریخون مین ان کے بارے مین لکھی ہین۔ صاحب تاریخ فرشتہ فرماتے ہین کہ:

"اکبر نے کنور مان سنگھ پسر راجہ بھگوان داس کو بغرض اخراج افغانان روشنائی کہ ظلمت وکفر و زندقہ مین شہرت رکھتے تھے روانہ کیا، کہتے ہین کہ ایک ہندوستانی شخص نے اپنا نام پیر روشان مشہور کیا تھا، اس نے افغانون مین جاکر انکو اپنا مرید بنا لیا، جب وہ فوت ہوا تو اس کا بیٹا جلالہ چودہ برس کا تھا، وہ بادشاہ کی ملازمت مین آیا، اور کچھ عرصہ بعد بھاگ کر افغانون مین جاملا، اور خلق کثیر کو اپنے ساتھ متعلق کرکے اس نے ہندوستان اور کابل کا راستہ بند کر دیا، راجہ مان سنگھ افغانان روشنائی سے بمقابل کتل خیبر لڑا، اور ایک کثیر جماعت کے خون سے زمین کو رنگین کیا، سنہ ۹۹۷ھ مین جب جلالہ نے غلبہ پایا، سید چاند بخاری کو قتل کیا، پھر علاقہ بنگش کی طرف بھاگ گیا، اس پر بادشاہ نے عبد المطلب خان محمد قلی بیگ و حمزہ بیگ ترکمان کو جلالہ کے تدارک کے لیے متعین کیا، جنھون نے جلالہ کو زیر کر لیا، اور اس کے گروہ کے بہت لوگ قتل ہوئے، اسی سال شاہزادہ خسرو پیدا ہوئے"

مادہ تاریخ وفات اکبر بادشاہ ؎

جلال الدین محمد شاہ اکبر	ز دنیا گشت سوئے خلد راہی
چو رضوان دید حیران شد کہ این کیست	ندا آمد کہ یک ظل الٰہی

مولانا محمد حسین آزاد دربار اکبری مین یون دُر افشانی کرتے ہین:

"ملا عبد القادر بدایونی اپنی تاریخ مین سنہ ۹۸۹ھ کے حالات مین لکھتے ہین: آج سے پچیس برس پہلے ایک ہندوستانی سپاہی پیشہ آدمی نے اپنے لیے پیر روشنائی خطاب تجویز کیا، اور افغانون مین جاکر بہت سے احمقون کو اپنا مرید بنا لیا، اور اپنی بے دینی اور بدمذہبی کو رونق دی اور ایک

کتاب تصنیف کرکے خیرالبیان نام رکھا، اس مین اپنے عقائد فاسدہ کو ترتیب دیا، اور چند روز مین سر کے بل اپنے ٹھکانے جا پہنچا، ایک لڑکا چودہ سالہ جلالہ نام چھوڑ گیا، ۹۸۹ھ مین جب اکبر کابل سے آتا تھا، جلالہ ملازمت مین حاضر ہوا، اور مرحمت شاہنشاہی سے معزز ہوا، شقاوت ذاتی اور موروثی لڑکے کی پیدائش مین تھی، اور خود بھی پیدا کی تھی، اسلیے کچھ عرصہ کے بعد بھاگ گیا، اور انھین افغانون مین جاکر پھر راہ زنی شروع کردی اور جم غفیر کو اپنے ساتھ متعلق کرکے ہندوستان اور کابل کا راستہ بند کردیا، فرقہ روشنائی روستائی (جنگل کی کھائی) کہ حقیقت مین عین تاریکی تھی، اس کے تدارک کے لیے بادشاہ نے کابل کو مان سنگھ کی جاگیر کرکے صوبہ دار کابل کیا، کہ ان سرشورون کو تنبیہ کرے، سید خان گکھڑ، بیربر، شیخ فیضی، اور شیخ فتح اللہ شیرازی وغیرہ کو بھی بھیجدیا، اس مہم کا انجام شاہی لشکر کی تباہی پر ہوا، آخر اکبر نے راجہ ٹوڈرمل کو بہت سی سپاہ دے کر روانہ کیا، راجہ نے نہایت ہوشیاری سے کام کیا، اور اس نے افغانون کو تنگ اور پریشان کرکے چھوڑا، موسم گرما سنہ ۹۹۳ھ مین راجہ مان سنگھ بھی فوج لیکر چڑھا، درہ خیبر کے نواح مین سخت لڑائی ہوئی اور فرقہ مذکور کے ہزارون آدمی مارے گئے، بہت سے قید ہوئے، جلالہ علاقہ بنگش کی طرف بھاگ گیا، باہرہ کے سید عبدالمطلب خان نے اس کا تعاقب کیا، وہان پھر جلالہ نے فوج جمع کرلی، اور ایک خون ریز جنگ کی، جلالہ پھر بھاگ گیا، چند روز پہاڑون مین مارا مارا پھرا، پھر بدخشان سے ہوتا ہوا عبداللہ خان اوزبک کے پاس پہنچا مگر اس نے جلالہ کی امداد نہ کی، یہ واقعہ سنہ ۱۰۰۰ھ کا ہے، پھر واپس آکر جلالہ ملک کے امن مین بذریعہ راہ زنی خلل انداز ہوا، کابل ہندوستان کا راستہ مسدود کردیا، پھر اکبر نے آصف خان کو سپہ سالار بنا کر روانہ کیا، جلالہ پھر بھاگ گیا، اس کا بھائی واحد علی، اور اہل و عیال، خویش و اقارب کہ قریب چار سو کے ہونگے گرفتار ہو کر آئے، قریب بیس سال کے اسکا فساد جاری رہا، لشکر شاہی ان لوگون کو برابر پریشان کرتا رہا، سنہ ۱۰۱۰ھ مین جلالہ نے غزنی پر قبضہ کرلیا تھا

اور اس کا آخری جاہ و جلال یہی تھا، وہان بھی جنگ ہوئی اور جلالہ مارا گیا، فرقہ روشنائی کے لوگ مدت تک اس کے نام پر چراغ جلاتے رہے، اب بھی کوہستان مذکور مین جو وہابی ہین، ان کو سنت وجماعت مذہب کے ملا خفا ہو کر فرقہ روشنائی کا بقیہ کہا کرتے ہین[1] پھر مولانا آزاد فرماتے ہین کہ "ہم ان کو فرقہ تاریکی ہی لکھین گے" (سبحان اللہ)

حضرت پیر روشان کا نام بازید مسکین تھا، ان کا سلسلہ نسب یہ ہے، بازید مسکین بن عبداللہ بن محمد شیخ بن بابا شہباز بن شیخ محمود بن شیخ سراج الدین بن حضرت مولانا ابراہیم انصاری بن خواجہ محمود بن خواجہ حمزہ بن خواجہ داؤد بن خواجہ شمس الدین بن خواجہ خلیل بن خواجہ لقمان بن خواجہ حداد بن خواجہ منصور بن خواجہ محمد بن خواجہ مت الانصاری بن حضرت ابو ایوب الانصاری میزبان رسول خدا صلعم، آپ کی جائے پیدائش قصبہ جالندھر ہے، آپ کا حجرہ اب تک حضرت شیخ احمد غوث ولی کے مقبرہ کے سامنے موجود ہے، کتاب خیرالبیان آپ کی تصنیف ہے جو نہایت فصیح و بلیغ عربی، فارسی اور ہندی زبان مین لکھی ہوئی ہے، اس تصنیف سے آپ کا عالی رتبہ ظاہر ہوتا ہے، آپنے ایک اور کتاب مقصود المومنین عربی مین لکھی تھی، اس مین نظم بھی ہے، یہ کتاب علم سلوک مین ہے، حال نامہ آپ کی ایک اور کتاب ہے، جو پندرہ جزو کی کتاب ہوگی، اس کتاب مین عجیب و غریب حالات درج ہین، ان کتابون کے مطالعہ سے آپ کی قابلیت اور حسن بیان کا اندازہ ہوسکتا ہے

ایک دفعہ افغانون نے حکیم مرزا سلطان کابل برادر اکبر بادشاہ کے حضور مین درخواست دی کہ ایک شخص نزول وحی کا مدعی ہے، مرزا سلطان نے آپ کو طلب کیا، آپ حاضر ہوئے، قاضی صاحب قاضی خان نام نے آپ سے پوچھا تو آپنے فرمایا کہ مین الہام کا مدعی ضرور ہون، قاضی صاحب نے فرمایا الہام کبھی صحیح اور کبھی غلط ہوتا ہے، آپنے جواب دیا کہ مین اپنے الہام کو کلام اللہ اور سنت رسول اللہ پر منطبق کرتا ہون، ان کے مطابق ہوتا ہے، تو صحیح مان لیتا ہون، ورنہ چھوڑ دیتا ہون، قاضی صاحب نے جواب کی صحت اور

[1] معارف:- یہ نام تصحیح کا محتاج ہے

تمھاری شکایت غلط اور بیجا ہے،

آپ کی بہت سی کرامتین بھی منقول ہین، نقل ہے کہ ایک دفعہ پھر افغانون نے کوئی بہتان آپ پر باندھا، سلطان نے اس پر بنظرِ امتحان آپ کو سیاہ چاہ مین قید کردیا، کچھ عرصہ کے بعد دیکھا تو آپ زندہ تھے، آپ کو چاہ سے نکالا، آپ وہان سے کچھ اشعار بھی لکھ کر لائے تھے، اس پر سلطان مرزا، قاضی القضاۃ قاضی خان نام اور حکیم خان اتالیق سلطان آپکے معتقد ہوگئے، روایت ہے کہ نواحِ پشاور مین افغان لوگ بلی کا گوشت پکا کر آپ کے کھانے کو لائے، آپ نے ازراہِ کرامت و فراست معلوم کرلیا، پھر آپنے طشت کی طرف اشارہ کیا، بلی زندہ ہوکر بھاگ گئی،

اپ نے اول ارادت اپنے چچازاد بھائی شیخ اسمٰعیل بن شیخ خداداد سے کی تھی مگر آپکے والد منع کرتے اور کہتے کہ صاحب علم اور قاضی موجود ہین، تو تم ادرون سے کیون بیعت کرتے ہو، چونکہ آپ کو مرشد کی طلب تھی، ایک روز روحانی طور پر حضرت خضر سے ملاقی ہوے، اسی دن سے باطنی ترقی شروع ہوئی اور بہنچی جہان پہنچی، فرقہ روشنائی کے لوگ حضرت خضر کی ملاقات کے دن کو روزِ عید کہتے ہین، خوشی مناتے اور روزہ رکھتے ہین،

آپ کی والدۂ ماجدہ کا وطن بھی جالندھر ہی ہے، آپ کے والد بزرگوار پہلے حرم کی طرف اس واسطے کم توجہ فرماتے تھے، کہ آپنے شیخ یعقوب کی والدہ سے نکاح کرلیا تھا، ایک دن آپکے والد ماجد نے ان سے کہا کہ تم منحوس ہوئے ہو، تمھارے پیدا ہونے سے پہلے درخت اور جانور ہم کو سجدہ کیا کرتے تھے، اب کوئی نہین کرتا، آپ نے عرض کی کہ یہ سب کچھ میری بزرگی کے باعث تھا، آپ ذرا جنگل مین تشریف لے چلین، جب دونون صاحب باہر تشریف لے گئے، تو آپ کو درختون نے سجدہ کیا، اسپر آپ کے والد آپ کے حال پر زیادہ توجہ فرمانے لگ گئے،

آپ کے والد کوہستان مین قاضی تھے، ان کے مرنے کے بعد ان کے دوسرے صاحبزادے شیخ یعقوب اور ان کے بعد ان کے بیٹے میان محمد علی و میان شیخ سلطان قاضی مقرر ہوئے، حضرت پیر قضا کے کام کو پسند نہین کرتے تھے، قاضیون سے آپ فرمایا کرتے خدا سے ڈرو اور رشوت نہ لو، نیکی اور تقویٰ اپنا پیشہ

بناؤ، اس قسم کی باتون سے آپکے والد اور بھائی وغیرہ رنجیدہ ہوا کرتے، آخران سب نے ناراض ہوکر آپکو وطن سے نکال دیا، آپ نواح باجوڑ اور ننگنہار مین آٹھہرے، وحشی افغان آپکے حالات اور کرامتین دیکھ کر آپ کے معتقد ہوگئے اور ان مین سے اکثر ہدایت یاب ہوکر آپکے حلقہ بگوش بن گئے،

آپ کا لقب پیر روشان اس واسطے ہوگیا کہ ایک شب چراغ خانہ مین تیل کم ہوا، اور چراغ گل ہونے لگا، تو آپنے فرمایا چراغ مین پانی ڈالدو، ایک مرید نے حسب الحکم پانی ڈالدیا، پانی پڑنے سے چراغ کی روشنی زیادہ ہوگئی، اس دن سے آپ کا نام پیر روشان ہوگیا، ادھر تو تمام افغان آپ کے معتقد اور مرید بن گئے،

اُدھر اکبر بادشاہ تیموری کے اہلکارون نے رعایا پر دستِ ستم دراز کیا، اور خوب لوٹ مچائی، ظلم اور جبر یہانتک بڑھا کہ ایک دن ان لوگون نے ایک افغان عورت کو پکڑ لیا، اور اس کے سر کے بال ایک چکی سے باندھ دیے جون جون چکی پھرتی عورت ساتھ ساتھ پھرنے پر مجبور ہوتی، آپ نے یہ سختی دیکھ کر حضور سرورِ کائنات کی طرف توجہ کی، اور آپ کا حکم اور اجازت مل جانے پر ان کی اس دست درازی کو روک دیا، اور ملک مین عدالت و انصاف کی رسم ازسرنو جاری اور تازہ کردی، ان دنون حضرت شیخ غوث الکرام نے جالندھر مین فرمایا، کہ کوہستان مین آگ جل اٹھی ہے خدا خیر کرے یہ آپکے بزرگون مین ہین جنکا مزار پاک جالندھر مین موجود ہے، افغانون مین ایک طالب علم ملا درویزہ نام علما کا عمامہ سر پر رکھ کر اسی علاقہ مین طبلِ بزرگی بجاتا پھرتا تھا، چونکہ آپ کا ایک جہان مرید و معتقد ہوگیا تھا، یہ شخص ازراہ بدنفسی آپکی شان مین بیہودہ باتین حوالۂ قلم کیا کرتا تھا،

کتاب صراط التوحید مین جو ۹۶۲ھ مین لکھی گئی تھی، آپ نے تحریر فرمایا ہے، کہ بعد حصولِ کمال مین تجارت کے لیے قندھار گیا، اس جگہ ایک ظالم حاکم بیرم خان نام حکومت کرتا تھا، اس کے داروغہ تجار کے مال کے گیارہ حصے کرتے، چھ حصے تو خود لے جاتے اور پانچ مالک کے پاس رہنے دیتے، لوگ مجھکو بیرم خان کے پاس لے گئے، اور مین اس کے روبرو جاکر دوزانو بیٹھ گیا، اسی وقت الہام ہوا کہ دنیا کی خاطر تم اس کے روبرو دوزانو ہو بیٹھے اوٹھو اور فوراً گھر چلے جاؤ، اور پانچ سال گھر سے باہر نہ نکلو، ورنہ تم سے یہ تمام مراتب چھین لیے جائینگے

اس مین گھر واپس چلا آیا اور گوشہ مین بیٹھ گیا، یہ اکیسوان سال ہے کہ مین محبت باطن سے دہین بیٹھا ہون نہ کسی کے دروازے تک جاتا ہون اور نہ کسی سے کچھ طلب کرتا ہون، اس پانچ سال کی میعاد گذرنے پر مریدون اور معتقدون کے ہدایت کا حکم ہوا، پھر الہام ہوا کہ ایک رسالہ لکھکر بادشاہون اور امیرون کو بھیجد و، تاکہ وہ بھی مع اپنے لوگون کے راہ ہدایت پر آجائین، اس الہام کی بنا پر یہ رسالہ لکھا گیا تھا، ایک جگہ اس رسالہ مین آپ لکھتے ہین، کہ ایک طالب کا مراتب حاصل کرنا اسکی اپنی استعداد پر موقوف ہے، جس مین استعداد زیادہ اس کا راستہ نزدیک، طالب کیلیے استعداد سواری کا کام دیتی ہے، اور اس استعداد سے مطلب، خدا سے ڈرنا ہی اگرچہ صاحب کتاب "مقصد اقصیٰ" نے ایک با استعداد طالب کے منزل پر پہنچ جانے کے لیے ۳۰-۴۰ بلکہ ۷۰ سال کی میعاد مقرر فرمائی ہے، لیکن ہمارے نزدیک ایک با استعداد طالب ۲-۳ یا زیادہ سے زیادہ سات سال مین پہلے خلیفہ کے رتبہ پر پہنچ سکتا ہے، اگر طالب مین استعداد نہ ہو تو وہ مراتب عالی پر نہ سات سال مین نہ نو سال مین نہ بارہ سال مین نہ پندرہ سال مین پہنچتا، اور اپنا مطلب حاصل کر سکتا ہے،

اپنی تصوف کی کتابون مین ان مقامات کا آپ نے اکثر ذکر کیا ہے، آپ فرماتے ہین، کہ اول مقام شریعت ہے، اس مین رسولون کے ارشادات ہین، مثلاً لغو اور فحش سے زبان کو پاک رکھنا، صدق اور راستی سے بات کرنا، دوسرا مقام طریقت ہے اور یہ انبیاء کا عمل ہے اس مین اعضاء کو برے کامون سے دور کرنا ہے، اور نیک کامون کے لیے ان کو زندہ کرنا ہے، سوئم مقام حقیقت ہے، اور یہ انبیا کا حال ہے، اس مین ذکر خفی اور فکر دائم ہوتا ہے، چہارم مقام معرفت ہے، اور یہ رسولون کے اسرار ہین، یہان ہر حال مین چشم دل سے خدا کو دیکھنا ہے، پنجم مقام قربت ہے، اس مین حق کی آواز سنائی دیتی ہے اور ہر شے کی تسبیح سنی جاتی ہے، ششم مقام وصلت ہے، اس مقام مین اپنی ہستی ذات خدا مین فنا ہو جاتے ہی سننا، دیکھنا، پکڑنا، لینا سب خدا سے ہوتا ہے، ہفتم مقام وحدت ہے جسکی نسبت رسول خدا صلعم کی حدیثین ہین مثلاً جس نے مجھ کو دیکھا اس نے خدا کو دیکھا، مین محمد بلا میم ہون، وغیرہ وغیرہ بعض کتابون مین آپنے ہشتم مقام سکونت بھی لکھا ہی جہان روح کو ہر چیز سے سکونت حاصل ہو جاتی ہے،

سوشیالزم کے مختلف نظریئے

اور

مختلف سوشیالسٹ قومین

(۲)

از

مولانا عبدالسّلام ندوی،

سوشیالسٹ گروہ کے مختلف نظریات وخیالات کی تحلیل اگرچند محدود اصول مین کیجائے تو اس کا مختصر طریقہ یہ ہے کہ ہم نظام اجتماعی کے اساسی اصول کا سراغ لگائین،

نظام اجتماعی کے دو متناقض اصول نہایت قدیم زمانے سے باہم معرکہ آرا ہین، اور تمدن جس قدر ترقی کرتا جاتا ہے اسی قدر انکی نزاع زیادہ بڑھتی جاتی ہے، اور آج چونکہ تمدنی ترقیان ذروۂ کمال کو پہنچ گئی ہین، اسلیے ان دونون کی جنگ بھی باہم نہایت سخت ہو گئی ہے،

ان مین پہلے اصول کی تعبیر فردیت سے کیجاتی ہے، جس کے معنی یہ ہین کہ انسان تمام مہمات امور کا خود ذمہ دار و متکفل ہو، اور حکومت کی اعانت و مداخلت سے بہت کم فائدہ اٹھائے،

اگرچہ یہ بدیہی ہے کہ تمدن کے تمام اہم عناصر مثلاً علوم وفنون، فلسفہ، مذہب اور اختراعات و ایجادات وغیرہ افراد کا کارنامہ ہین، جماعت کو ان سے کوئی تعلق نہین ہے، یہی وجہ ہے کہ جن قومون مین فردیت زیادہ ترقی کر جاتی ہے، وہی تمام دنیا کے تمدن کی فرمانروا بنجاتی ہے، لیکن بایں ہمہ قدیم زمانے مین چونکہ حکومتون کا اثر و اقتدار نہایت وسیع ہو گیا تھا، اس لیے حکومت سے الگ ہو کر افراد کی کوئی قدر و قیمت باقی نہین رہتی تھی، اسلیے

سب سے پہلے فردیت کی حمایت مین شورش فرانس نے حصہ لیا اور افراد کو آزاد کر کے حکومت بلکہ خاندان، سوسائٹی اور مذہب سب کے دائرۂ اثر سے الگ کر لیا لیکن اس کے بعد اس نے افراد کو بالکل خودسر اور مطلق العنان چھوڑ دیا، اسلیے قومیت کے تمام اجزاء دفعۃً پراگندہ ہوگئے، کیونکہ جو قومین خود اعتمادی کے وصف سے معرا ہوتی ہین وہ اس قسم کی خودسرانہ فردیت سے کوئی مستقل فائدہ نہین اٹھا سکتین، وہ مساوات کی تو بڑی حریص ہوتی ہین، لیکن حریت و آزادی کی بہت کم پروا کرتی ہین، کیونکہ حریت ایک دائمی جنگ کا نام ہے جو ترقی کا سنگِ بنیاد ہے، اور اس جنگ مین صرف وہی لوگ فتحیاب ہوتے ہین، جو ذاتی قابلیت رکھتے ہین، باقی کمزور لوگون کو یہ کشمکش فنا کر دیتی ہے، یہی وجہ ہے کہ صرف طاقتور لوگ انفرادی زندگی بسر کر سکتے ہین، اور ضعیف لوگ ہمیشہ غلامانہ اور محکومانہ زندگی کو ترجیح دیتے ہین، لیکن چونکہ ان کو مساویانہ حقوق حاصل ہوتے ہین، اسلیے ان کو اس غلامی کا احساس نہین ہوتا، بہرحال نتیجہ جو کچھ بھی ہو، لیکن سوشیالزم اصولِ فردیت کی علانیہ مخالفت کرتی ہے، اور اسی اصول کی مخالفت کی بنا پر سوشیالسٹون نے یہ اصول قائم کیا ہے کہ انفرادی فوائد کو اجتماعی فوائد پر قربان کر دینا چاہیے، اور قدرت نے جو عدم مساوات پیدا کر دی ہے، اسکی تلافی مافات کے لیے تمام قومی دولت کی تقسیم خود قوم کے ہاتھون سے ہونی چاہیے،

اسی اصول کا اصطلاحی نام شیوعیت ہے، جو انسان کے استقلالِ ذاتی کو ایک مرکزی حکومت کے تابع کر دیتا ہے، اس لیے حکومت کی تیار کردہ روش کے سوا وہ کسی راستہ پر قدم ہی نہین رکھ سکتا، سوشیالسٹ گروہ اگرچہ حکومت کے لفظ کو ناگواری کے ساتھ سنتا ہے، اسلیے اس کے بجائے جمہوریت یا جماعت کا لفظ استعمال کرتا ہے، تاہم نتائج دونون کے ایک ہی ہین یعنی اس اصول کے رو سے دنیا کا اجتماعی نظام یہ قائم ہوگا کہ:-

(۱) حکومت کے اختیارات وسیع اور افراد کے اختیارات محدود ہو جائینگے،

(۲) تمام دنیا کا راس المال، تمام دنیا کی کانین، اور تمام دنیا کی جائدادین حکومت یا جماعت کے قبضہ مین آجائین گی، سرکاری ملازمتون کے ذریعہ سے وہی تمام دنیا کی روزی تقسیم کرے گی،

(۳) حقوقِ وراثت کا خاتمہ ہو جائے گا، اور کوئی شخص مال و دولت کے جمع کرنے کا مجاز نہ ہوگا،

(۴) شخصی آزادی، عملی استقلال، اور باہمی کشمکش و مقابلہ کی بیخکنی ہو جائے گی، اور تمام دنیا ایک عام خانقاہ یا لنگر خانہ بنجائے گی،

(۵) افراد کی شخصی حیثیتین فنا ہو جائین گی اور ان کو صرف کھانا کپڑا املا کرے گا،

ان نتائج کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک نہایت طاقتور اور خودمختار مرکزی حکومت قائم ہو جائے گی، جو فرد فرد کو اپنا غلام بنائے گی اور وہ سرکاری ملازمین کے دست نگر ہو کر اپنا کام اسی طرح انجام دینگے، جس طرح قیدی جیلرون کی ماتحتی مین کام کرتے ہین، ان کی تمام ذاتی قابلیتین فنا ہو جائینگی، اور کام کرنے کے بعد ان کا کام صرف مویشیون کی طرح کھانا، پینا اور سونا ہوگا، کیونکہ جب کوئی محرکِ عمل باقی نہ رہے گا، تو کوئی شخص اپنی بگڑی ہوئی تقدیر کے بنانے کی فکر کیون کرے گا، اور یہی وہ غلامی ہے جس سے آزاد ہونے کی کوئی توقع باقی نہ رہے گی، ایک مزدور جو سرمایہ دارون کے شکنجے مین جکڑا ہوا ہے، کم از کم یہ تخیل تو قائم کر سکتا ہے کہ وہ جد و جہد کر کے خود ایک سرمایہ دار کی حیثیت حاصل کر سکتا ہے، لیکن جو شخص اس قسم کی مرکزی حکومت کا غلام ہوگا، جو اسکی تمام ضروریات کو پورا کرتی ہے، وہ اس قسم کا تخیل بھی نہین قائم کر سکتا، لیکن بایں ہمہ ایک سوشیالسٹ مزدور کو ان غلامانہ نتائج کی کوئی پروا نہین ہے، کیونکہ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، جو لوگ خود اعتمادی کے وصف سے معرا ہوتے ہین، وہ مساوات کے زیادہ خواہشمند ہوتے ہین، آزادی و استقلال کی پروا نہین کرتے، اس حالت مین تمدن کے دوسرے اہم اجزا مثلاً علوم و فنون کا بھی اگرچہ خاتمہ ہو جائے گا، کیونکہ وہ صرف شخصی قابلیتون اور انفرادی کوششون کا نتیجہ ہوتے ہین، اور سوشیالزم حکومت مین شخصیت و انفرادیت کا وجود ہی باقی نہین رہتا، تاہم مزدورون کو انکی بھی کوئی پروا نہین ہے، وہ صرف فرق و امتیاز کو مٹا کر مساوات کو پیدا کرنا چاہتے ہین، اور وہ اس حکومت مین بظاہر پیدا ہو جاتی ہے،

یہی وجہ ہے کہ جن ممالک مین استبداد و خودمختاری نے رعایا کے استقلال و آزادی کو جس قدر فنا کیا ہے

اوسی قدر وہان سوشیالزم کو زیادہ ترقی ہوئی ہے، مثلاً تمام یورپین ممالک مین جرمنی نے سوشیالزم کو سب سے زیادہ قبول کیا ہے، جسکی وجہ صرف یہ ہے کہ وہان ایک مدت سے عام فوجی نظام قائم ہے، اور دنیا مین صرف یہی ایک ایسا نظام ہے، جو افراد کی شخصی آزادی کو بالکل فنا کر دیتا ہے، ان کے مصالح کو جماعت کے مصالح پر قربان کر دیتا ہے اور ایک ایسا استبدادانہ اور خود مختار مرکزی اقتدار قائم کر دیتا ہے، جو سوشیالزم کے لیے بالکل موزون ہوتا ہے، اور پروشیا کے زیر اقتدار جو جرمن اتحاد قائم ہوا وہ اسی قسم کا خود مختارانہ اتحاد تھا، کیونکہ جرمنی نے آسٹریا اور فرانس کو مغلوب کر کے اپنے ساتھ متعدد چھوٹی چھوٹی سلطنتون کا الحاق کر لیا، اس کے بعد محض تلوار کی طاقت سے ایک عام مرکزی اور فوجی حکومت قائم کر لی جس نے مقامی اور عقلی زندگی کا خاتمہ کر کے تمام شخصی اعمال و اختیارات سلب کر لیے، اور چونکہ سوشیالزم بھی اسی قسم کی با اقتدار مرکزی حکومت قائم کرنا چاہتی ہے، اسلیے اس نے قدرتی طور پر اپنی اشاعت و ترقی کے لیے جرمنی مین ایک وسیع میدان پا لیا، اور ابتدا مین بسمارک نے اوس کی حمایت بھی کی، لیکن اس کے بعد چونکہ جرمن سوشیالسٹون نے حکومت کیساتھ گستاخانہ آویزشین پیدا کین اس لیے حکومت نے بہت سے لوگون کو سزائین دین، اس کے بعد سزا کے خوف اور اس غلامانہ روح نے جس کو جرمن فوجی نظام نے قائم کر دیا تھا، وہان کے سوشیالسٹون کے خیالات و نظریات مین بھی بہت کچھ اعتدال پیدا کر دیا اور انھون نے یہ رائے قائم کر لی کہ سرمایہ دارون کا عام استیصال بالکل ایک خیالی چیز ہے، کیونکہ وہ جس طرح ایک مدت مین پیدا ہوئے ہین اسی طرح ایک مدت کی تدریجی کوششون کے بعد بھی ان کا خاتمہ ہو سکتا ہے، اس لیے وہ نہایت آہستہ آہستہ جمہوری طریقون سے مزدورون کی حالت کو بہتر بنا رہے ہین، اور اس علمی حیثیت کے ساتھ وہ عقلی حیثیت سے بھی اپنے خیالات مین تغیر پیدا کر رہے ہین، اور اب شیوعیت کا نظریہ اونکی نگاہون سے گرتا جاتا ہے، حالانکہ فرنچ سوشیالسٹ ایک مقدس مذہبی خیال کی طرح اس کا احترام کرتے ہین،

اس کے بالکل برعکس جن قومون مین آزادی و استقلال، عزم و ارادہ، اور باہمی تکفل و اعانت کے اوصاف پائے جاتے ہین، وہ اصول شیوعیت کے بالکل مخالف حکومت کے دائرے کو تنگ اور افراد کے اختیارات

کو وسیع کرتی ہین، اور اس مین حکومت کی مختلف شکلون کو کوئی دخل نہین ہوتا، مثلاً انگریزون کے یہ اوصاف انگلستان کی شخصی اور امریکہ کی جمہوری حکومتون مین یکسان طور پر نمایان نظر آتے ہین، اور ان دونون حکومتون مین تمام پبلک چیزین، مثلاً ریلوے، بندرگاہ اور یونیورسٹیان وغیرہ انگریزی قوم کے افراد نے بنائی ہین، حکومت نے ان کو ہاتھ نہین لگایا ہے، اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ اس قوم مین سوشیالزم کو بار آور ہونے کا بہت کم موقع ملا ہے، کیونکہ سوشیالزم حکومت کے اقتدار کو وسیع، اور افراد کے اختیار کو محدود بلکہ مسلوب کر دیتی ہے، اور سوشیالزم کا یہ نتیجہ اس قوم کے فطری اخلاق کے بالکل منافی ہے،

انگلستان مین سوشیالزم کا سب سے زیادہ حامی صرف مزدورون کا گروہ ہو سکتا ہے، لیکن عملی طور پر یہ تمام اوصاف اس مین بھی پائے جاتے ہین، اور علمی حیثیت سے اوسکو ایسے مواقع حاصل ہین جہان وہ اقتصادیات کے متعلق صحیح معلومات حاصل کر سکتا ہے، مثلاً جن اخبارات مین جدید آلات کی ایجاد و اختراع کا حال شائع ہوتا ہے اُن کو مزدورون ہی کا گروہ پڑھتا ہے، عام مقامی اخبارات بھی نہایت صحیح اقتصادی اور صنعتی خبرین شائع کرتے ہین، اور ان سے یہ گروہ باخبر رہتا ہے، موسیو (دورزیہ) کہتے ہین کہ مین نے ایک کارخانے کے مزدور سے چاندی اور سونے کے نظام و اصول پر گفتگو کی، تو گو وہ واضح اور فصیح الفاظ مین جواب نہ دیسکا لیکن اس کے خیالات علمی اور صحیح تھے، اعانت، احسان اور رفاہیت عامہ کی بہت سی کمپنیان خود مزدورون نے قائم کی ہین، اور حکومت اور سرمایہ دارون سے بے نیاز ہو کر وہی ان کو چلاتے ہین، ان کے ذریعہ سے علمی اور عملی دونون حیثیتون سے ان کے ذاتی اوصاف نمایان ہوتے ہین، موسیو (دورزیہ) فرماتے ہین کہ برطانیہ عظمی مین اعانت باہمی کی کمپنیان اور انسداد مسکرات اور صدقات و خیرات کی جو بکثرت انجمنین قائم ہین وہ ایک ایسی نسل پیدا کر رہی ہین، جو عملاً طاقتور ہوگی، اور بغیر شورش و بغاوت کے سیاسی انقلاب پیدا کر سکیگی انھی اقتصادی معلومات کی بنا پر ایک انگریزی مزدور یہ جانتا ہے کہ سرمایہ دارون کے مقابلہ مین وہ اپنے حقوق و مصالح کا تحفظ کیونکر کر سکتا ہے؟ اور اوسکو اسٹرائک کیونکر کرنی چاہیئے؟ اوسکو یہ معلوم رہتا ہے کہ

سرمایہ دار کتنا خود لیتا ہے، اور کتنا اس کو دیتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ راس المال کے منافع اور اجرت مین جب غیر معمولی فرق ہو جاتا ہے تب وہ اسٹرایک پر آمادہ ہوتا ہے، اور بیکاری کے وظیفہ اور پنشن کو عقل و اخلاق دونون کے مخالف سمجھتا ہے، اسکو اقتصادی مشکلات اگر پیش آتی ہین تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ صرف سرمایہ اور محنت کے تصادم کا نتیجہ نہین، بلکہ ان دونون کے درمیان خریدارون کی ایک اور مضبوط کڑی حائل ہے، جو سرمایہ اور محنت دونون پر یکسان اقتدار رکھتی ہے، اسلیے جب کساد بازاری اور بیکاری اجرت کی کمی پر مجبور کر دیتی ہے تو وہ اسکو بخوشی گوارا کر لیتا ہے، یا اپنی عملی قوت کی بنا پر اپنے پیشے کو بدل کر دوسرا پیشہ اختیار کر لیتا ہے،

یہ سچ ہے کہ انگلستان مین بھی چند سال سے سوشیالسٹ خیالات کی اشاعت ہو رہی ہے، لیکن ان خیالات کی حمایت یا تو وہ مزدور کرتے ہین جنکو نہایت کم اجرت ملتی ہے یا وہ نالائق لوگ ان کے حامی ہو جاتے ہین جنکو کوئی معین مشغلہ نہین ملتا، امریکہ مین بھی حامیان سوشیالزم کی ایک فوج گران تیار ہو رہی ہے، لیکن وہ ان اجنبی لوگون سے مرکب ہے جو باہر سے آکر یہان آباد ہو گئے ہین، اور ان مین وہ استعداد اور قابلیت موجود نہین ہے، جو اس جدید وطن کی قومی اور تمدنی زندگی مین ان کو کامیاب کر سکے، خود ولایات متحدہ بھی اس تمدنی نقصان کو محسوس کر رہے ہین، اور عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے، جس مین ان کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا جائے گا، کیونکہ افراد کی مقدس آزادی اور تمدن کا تحفظ، صرف اسی قسم کی قربان گاہون کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے،

خطباتِ مدراس

مولانا نے پچھلے سال مدراس مین سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوؤن پر جو آٹھ خطبے (لکچر) دیئے تھے وہ نہایت اہتمام سے عمدہ کاغذ پر چھپکر تیار ہین، یہ اس لائق ہین کہ مسلمانون کے علاوہ غیر مسلمون مین ہدیۃً تقسیم کیے جائین، ضخامت ۱۶۰ صفحے، قیمت عہ/

تلخیص و تبصرہ

عربون کے جنگی بیڑے

جریدۂ "الفیحاء" دمشق جلد ۴ نمبر ۱، مین "الاساطیل العربیۃ" یعنی "عربون کے جنگی بیڑے" کے عنوان سے ایک مختصر مقالہ آیا ہے، جسمین وہ لکھتے ہین:۔

"امیر معاویہ کے زمانہ سے اسلامی مملکت مین جنگی بیڑے داخل ہوئے، اور سب سے پہلے عبد اللہ بن قیس کو امیر البحر بنا کر بحر روم مین رومی جزائر پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا گیا، جنھون نے کم و بیش پچاس حملے کیے اور ان بحری حملون مین ایک مسلمان سپاہی بھی غرقاب نہین ہوا، اور انھین کے حملون کے سلسلہ مین جزیرۂ قبرس (سائپرس) ۲۸ھ مین اسلامی اقتدار مین داخل ہوا،

ان کی شہادت کے بعد جو انھی بحری جنگون کے سلسلہ مین نصیب ہوئی، سفیان بن عوف ازدی امیر البحر مقرر کیے گئے، جنھون نے عبد اللہ بن قیس کے خون کا پورا انتقام لیا،

اسلامی اور بیزنطی رومی حکومت مین سب سے پہلے اہم باقاعدہ بحری جنگ ۳۱ھ مین ہوئی ہے جسمین قسطنطین بن ہرقل چھ سو جنگی جہازون کے ساتھ شام پر حملہ آور ہوا اور اسکے مقابلہ کے لیے مصر کے گورنر عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح اور شام سے معاویہ بن ابی سفیان روانہ ہوئے، سمندر مین اسلامی اور بیزنطی رومی بیڑے معرکہ آرا ہوئے اور نہایت خونریز جنگ کے بعد عربی بیڑے رومی بیڑون پر فتحیاب ہوئے، دونون طرف سے اس قدر کثرت سے جہاز تھے کہ سمندر مین جھنڈیان ہی جھنڈیان نظر آتی تھین اور اسی مناسبت سے عرب مورخین نے اس جنگ کا نام "غزوۃ الصواری" رکھا ہے

امیر معاویہ کے عہدِ حکومت مین جنگی جہازون کی تعداد ایک ہزار سات سو [۱۷۰۰] تک تھی، جو زیادہ تر لبنان کی لکڑی سے خاص عربون کی نگرانی مین بنائے گئے تھے، امیر معاویہ کو انھی جہازون کے ذریعہ سے بحرِ روم کے اکثر جزائر پر غلبہ حاصل ہوا، اور پھر ۵۴ھ مین بحیرۂ مارمورا مین پہنچکر قسطنطنیہ کا بھی محاصرہ کیا گیا، لیکن چھ سال کے محاصرہ کے بعد رومیون نے ایک خاص قسم کی سیال آگ سے جسکو عام طور سے "یونانی آگ" کہا جاتا ہے، ان عربی بیڑون کو تباہ و برباد کر ڈالا، اور پھر اسلامی فوج کو اپنے باقی ماندہ بیڑے واپس لانا پڑے،

اگرچہ قسطنطنیہ کے محاصرہ مین اکثر جہاز خاکستر ہو کر غرقاب ہو گئے، لیکن عربون نے بہت جلد اپنی بحری قوت کی طرف نئے سرے سے توجہ کی، چنانچہ رفتہ رفتہ بہت جلد نہایت کثرت سے عربون کے جنگی بیڑے بحرِ روم پر منڈلانے لگے، یہانتک کہ ولید بن عبد الملک اموی چھٹے خلیفہ کے عہدِ حکومت مین انھی بیڑون کی مدد سے جزیرۂ اندلس پر اسلامی پرچم لہرانے لگا"

اس کے بعد فاضل مضمون نگار موسیو سیدیو کے الفاظ مین ہندوستان پر حملہ آور اسلامی بیڑون کا تذکرہ کرتے ہین:-

"۱۵ھ مین عمان سے کچھ اسلامی جہاز ہندوستان کو فتح کرنے کے لیے بھیجے گئے جنھون نے جزیرۂ تھانہ پر جو بمبئی کے قریب تھا، اقتدار حاصل کر لیا، اور جزیرۂ بحرین سے بھی کچھ اور جہاز آئے، جنھون نے خلیج کھنبائت مین اکثر شہر بردوہ کو روند ڈالا، ان کے علاوہ ایک تیسرا بیڑا اور آیا جو دریائے سندھ کے دہانے تک پہنچا تھا، پھر عبد اللہ بن عامر نے ۲۳ھ مین بلادِ کرمان اور سیستان پر قبضہ کر لیا،

پھر قتیبہ بن مسلم کی آمد کا تذکرہ کرکے موسیو سیدیو اپنی "تاریخِ عرب" مین لکھتے ہین:-

پھر وہ اپنے جہازون پر دریائے سندھ ہو کر ملک کے اندرونی حصہ مین داخل ہوا، اور ایک لشکر جو کران مین تھا وہ بھی مدد کو پہنچا، پھر اس نے اپنے لشکر کو کشمیر کی ہموار زمین (پنجاب)

مین پھیلا دیا، دریائے سندھ کے ساحلی شہرون نے مقابلہ کی جرأت کی لیکن لشکر نے ان سب کو فاش ہزیمت دی"

اس کے بعد عباسیون کا عہدِ حکومت آیا جسمین عربون کے جنگی بیڑے اپنے منتہائے کمال پر پہنچ گئے، چنانچہ اسی دور مین ایک طرف عباسیون کے بیڑے بحرِ روم مین، دوسری طرف امویون کے بیڑے اندلس مین اور فاطمیون کے جنگی بیڑے مصر مین عربون کی بحری عظمت و شوکت کا سکہ بٹھائے ہوئے تھے،

فاضل مضمون نگار نے اس مقالہ مین اس درجہ اختصار سے کام لیا ہے کہ اجمالی حیثیت سے بھی جو امور ناگزیر تھے ان کا تذکرہ نظر انداز ہو گیا،

اصل یہ ہے کہ اولو العزم عربون نے حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت مین اسلامی بیڑے کی ضرورت محسوس کی، اور دربارِ خلافت سے اسکی استدعا بھی کیگئی، لیکن حضرت فاروق اعظمؓ عرب اور روم و عجم کے درمیان سدِ سکندری کے حائل ہو جانے کے خواہان تھے کہ وہ محض عالمگیر مملکتِ اسلامی کے خواہان نہ تھے اسی لیے عہدِ عثمانی سے پہلے کی اسلامی تاریخ مین عربون کی کوئی منظم بحری قوت عالمِ وجود مین نہین آئی، پھر جب حضرت عثمانؓ کا دور آیا تو فتحمند عربون نے بحری حملہ کی اجازت کے لیے نئے سرے سے سلسلہ جنبانی شروع کی، جسمین ان کو بڑی قیل و قال کے بعد مخصوص شرائط کے ماتحت کامیابی نصیب ہوئی، چنانچہ جیسا کہ مقالہ نگار نے بیان کیا امیر معاویہؓ نے حضرت عبد اللہ بن قیس الجاسی امیر البحر کو جزائرِ بحرِ روم پر حملہ آوری کے لیے روانہ کیا، اور ان کے بعد سفیان بن عوف ازدی بھیجے گئے،

اس دور کے صرف دو چار سال مین جزیرۂ قبرص کے علاوہ بعض دیگر اہم جزائر کریٹ، کوس اور روڈس وغیرہ حکومتِ اسلامی کے زیرِ علم آگئے، اور سب سے پہلے اسلامی بیڑے کی طاقت کا صرف اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ بحرِ روم کے سب سے اہم ترین جزیرہ صقلیہ (سسلی) کے ساحل پر لنگر انداز ہو کر معرکہ آرا ہوئے

اس کے بعد اگرچہ بحرِ روم پر ایک آدھ حملہ ہوا لیکن درحقیقت بحرِ روم مین اسلامی بیڑون کا

حقیقی مظاہر، حضرت معاویہ بن خدیج کندی کی ولایت افریقیہ سے شروع ہوتا ہے، یہ سنہ ۴۵ھ (۶۶۵ء) سے سنہ ۵۰ھ (۶۷۰ء) تک والی رہے، اور اس اثنا مین بحرِ روم کے، ایسے متعدد جزائر پر جنگی بیڑون کے ذریعہ اقتدار حاصل کیا جو افریقیہ کے قرب وجوار مین واقع تھے،

اس کے بعد بھی سنہ ۴۶ھ (۶۶۶ء) سے سنہ ۶۶ھ (۶۸۶ء) تک بحری حملون کا سلسلہ جاری رہا اور اسی اثنا مین بحری اقتدار حاصل کرنے کے لیے عربون کا سب سے پہلا "دار الصناعۃ" یعنی جہاز سازی کا کارخانہ فسطاط کے سامنے جزیرہ روضہ مین قائم ہوا، اس کے بعد خلیفہ عبد الملک بن مروان کے حکم سے حسان بن نعمان والیِ افریقیہ (سنہ ۷۸ھ، ۸۲ھ / ۶۹۷ء، ۷۰۱ء) نے جنگی جہاز اور بحری آلاتِ حرب تیار کرنے کے لیے ٹیونس مین ایک "دار الصناعۃ" قائم کیا، لیکن اس سے پہلے اس وقت ٹیونس سمندر سے بارہ میل دور تھا، اسلیے یہ "دار الصناعۃ" بحری قوت کے استحکام مین کچھ زیادہ مفید ثابت نہ ہو سکا، مگر جب موسیٰ بن نصیر والیِ افریقیہ ہوا تو اس نے سب سے پہلے اسی طرف توجہ کی اور بارہ میل کی ایک نہر کھود کر بحر روم کی موجون کو ٹیونس کی دیوارون سے ٹکرا دیا، اور پھر سنہ ۸۴ھ (۷۰۳ء) سے ایک منظم صورت مین جہاز سازی کا کام شروع ہو گیا، اور بہت جلد اس کارخانہ کے بنے ہوئے سو جہازون کا ایک نہایت زبردست مستحکم بیڑا تیار ہوا، اور اسی کے بعد عربون کی بحری قوت دنیا کی لاثانی قوت ہو گئی اور اندلس، شام اور مصر وغیرہ مین جہاز سازی کیلئے کثیر تعداد مین دار الصناعۃ قائم ہو گئے، چنانچہ اغالبہ کے ستارۂ اقبال غروب ہونے سے پہلے شجاعانِ عرب بحر روم کی متلاطم خیز موجون پر تنہا حکومت کرتے تھے اور اس کے تمام جزائر سرڈانیہ (SARDINIA) صقلیہ (SICILY) قیطنہ (C. SPARTIVENTO) مالٹہ (MALTE) کریٹ اور قبرس وغیرہ مین جنکے ساتھ نہایت اہم تاریخی عظمتین وابستہ ہین، اسلامی تہذیب وتمدن جلوہ ریز تھی، اور اس کے علاوہ بحر شامی (COROSTOLS) کو عبور کرکے اٹلی کے شمالی حصص صوبہ موڈنیہ (MODENA) مین سے ریلو (REGGIO) وغیرہ اور یہان تک کہ جینوا ( ) تک پہنچے اور پھر ادھر اندلس جیسے

عظیم الشان جزیرہ پر صرف عربون کے جنگی بیڑون کی شوکت وقوت کے باعث اسلامی پرچم لہرانے لگے،

"ر"

حال قال والے مسیحی صوفی

مسیحی دنیا مدت سے کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دو عظیم الشان فرقون مین منقسم ہے، لیکن عیسائیون کے ذیل کے دو جدید فرقون کے حالات خاص طور پر جاذب توجہ ہین، جنکو الہلال مصر نے اپنے مارچ کے رسالہ مین شائع کیا ہے، یہ دونون فرقے موسیقی وترنم اور رقص وسرود (یا سماع اور حال وقال) کے سلسلہ مین عالمِ وجود مین آئے ہین، ترنم وموسیقیت یون تو اسلام کے سوا باقی اکثر مذہبون مین کم وبیش پائی جاتی ہے لیکن مسیحیون نے اسکو اپنی عبادتون اور دعاؤن مین کشش اور دلفریبی پیدا کرنے کے لیے اس افراط سے داخل کر دیا کہ صرف اسی کی بنا پر ان مین دو اہم فرقے پیدا ہو گئے،

چنانچہ اسی مناسبت سے ان مین سے پہلا فرقہ جھومنے والون (QUAKERS) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، اسکی عبادت مین اگرچہ صریحی رقص وسرود داخل نہین ہے، لیکن طریقۂ عبادت رقص سے اس درجہ مشابہ ہے کہ قریب قریب اسکو رقص ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، یہ فرقہ انگلستان مین اس وقت بھی موجود ہے، اور دوسرا فرقہ جو اسی پہلے فرقہ سے پیدا ہوا، اسکو اربابِ وجد (SHAKERS) کہہ سکتے ہین، یہ سنہ ۱۷۴۷ء مین انگلستان مین پیدا ہوا، اور امریکہ مین نشو ونما پایا، انکی عبادت کا خاص طریقہ یہ ہے کہ سب کے سب یکشنبہ کو ساڑھے دس بجے گرجا مین جمع ہوتے ہین، اور پہلے ان کے مذہبی پیشوا یکے بعد دیگرے پند ونصیحت کرتے ہین، اس کے بعد تمام کرسیان دیوار سے لگا کر ایک خاص انداز سے رقص وجد مین مصروف ہو جاتے ہین، اور اس کے ساتھ ساتھ ترنم وموسیقی کی سامعہ نواز آواز آتی رہتی ہے،

اس فرقہ کی بانی ایک مسیحی خاتون "ہان لی" نامی ہے جو پہلے جماعت "ہمتزین" مین داخل تھی،

اس نے اپنے جدید مذہب کو ایک خواب کی بنیاد پر قائم کیا، اس کا بیان ہے کہ حضرت مسیح نے ارشاد فرمایا کہ: ہر انسان پر فرض ہے کہ اپنی تمام مملوکہ اشیاء کو فروخت کرکے اشتراکی زندگی بسر کرے، اور انھون نے سلسلۂ ازدواج کی سختی سے ممانعت فرمائی، کیونکہ وہ عورت و مرد کو دو قسمون مین منقسم کرنا پسند نہین فرماتے:

اس نے اپنا خواب اپنے گروہ کے سامنے پیش کیا، لیکن اسکو انگلستان مین کوئی کامیابی نصیب نہین ہوئی، اسلیے وہان سے اسی سال ۱۷۷۴ء مین امریکہ چلی گئی، اور وہان اپنے دعوت کی نشرواشاعت مین مصروف ہوگئی جسمین اسکو نمایان کامیابی حاصل ہوئی،

اس جماعت سے ایک مرتبہ اس کے عقائد دریافت کیے گئے تو اس کے جواب مین اس نے کہا،

۱۔ "ہمارا ایمان علم سینہ ہے، علم سفینہ نہین، اسلیے اوراقِ کتاب اس کے متحمل نہین ہوسکتے،

۲۔ قتل، خونریزی اور جنگ سے اجتناب کرنا،

۳۔ ملکی مناصب سے ہمارا کوئی علاقہ نہ ہوگا،

۴۔ ہماری جماعت مین کوئی شخص پرشان و شوکت الفاظ سے مخاطب نہین کیا جاسکتا،

۵۔ ہم اپنی گفتگو کو کبھی حلف اور قسم سے موکد نہین کرتے، کہ ہماری زبان سے سوائے سچ کے جھوٹ نہین نکلتا"

انکے ان مجموعی عقائد کے بارے مین تو کوئی فیصلہ نہین کیا جاسکتا کہ ان اصولون کی کہانتک پابندی کیگئی، لیکن ان کی مختصر تاریخ شاہد ہے کہ یہ اپنے عدم تشدد کے عقیدہ پر نہایت مضبوطی سے قائم رہے، چنانچہ اسی اثناء مین امریکہ اور انگلستان کی جنگ عظیم چھڑ گئی تھی، جسمین لازمی طور پر ہر باشندہ امریکہ نے شرکت کی، اسی سلسلہ مین اس جماعت کو بھی شرکت کی دعوت دیگئی، لیکن اس نے اپنے اسی مذہبی عقیدہ کی بناپر اسکی شرکت سے قطعی انکار کردیا،

چونکہ اس وقت تک ان کی جماعت نہایت قلیل تھی اسلیے اس واقعہ کا حکومت پر کوئی خاص

اثر مترتب نہین ہوا، اور جنگ اپنے مفید نتیجہ یعنی آزادیِ امریکہ کے ساتھ ختم ہوگئی،

لیکن اس واقعہ سے اس جماعت کی اخلاقی بلندی کا ملک کے ایک خاص طبقہ پر کافی اثر پڑا، اسلیے کثیر تعداد مین لوگ اس مذہب مین داخل ہونے لگے، اور یہی سلسلہ ۱۸۱۰ء تک جاری رہا،

مگر بالآخر اسکی اس روزافزون ترقی نے حکومتِ امریکہ کو اپنی جانب پھر متوجہ کرلیا، اور اس نے اس کے قطعی استیصال کا فیصلہ کرلیا، چنانچہ ۱۸۱۰ء کے بعد حکومت نے خاص اس کے استیصال کے لیے فوج کا ایک دستہ روانہ کیا، تاکہ جبری طور پر اس جماعت کو منتشر کردیا جائے،

جب فوج روانہ ہوئی تو اس کے پیچھے پیچھے عوام کا ایک انبوہ بھی غیظ و غضب سے بھرا ہوا ساتھ ہولیا تاکہ ان کے انتشار و پراگندگی مین ان کے سیم و زر اور مال و دولت پر چھاپہ مارین، لیکن اس فوجی دستہ کے سپہ سالار نے موقع شناسی سے کام لیا، اور ان کو فوری طور پر منتشر ہونے کا حکم دینے کے بجائے، ایک ماہ کی مہلت دی کہ وہ اس کے اندر اندر اپنی جماعت کو منتشر کردین، اس طرح عوام کے ساتھ ہوجانے کی وجہ سے ظلم و تعدی اور غارت گری کا جو خطرہ پیش آگیا تھا اس کا انسداد کردیا،

لیکن یہی مہلت اس جماعت کے لیے نہایت مغتنم ثابت ہوئی، کیونکہ کچھ ایسے اتفاقات پیش آگئے کہ اہل حکومت پھر انکی طرف سے غافل ہوگئے، اور ان کی جماعت بدستور روز بروز ترقی کرتی گئی،

اور یہی سلسلہ یون ہی جاری رہا، یہانتک کہ ۱۸۶۱ء مین امریکہ مین اندرونی جنگ چھڑ گئی، اور جنوبی و شمالی امریکہ مین غلامون کے آزاد کرنے کے بارے مین ہولناک معرکہ آرائی شروع ہوگئی، یہ موقع پھر اس جماعت کی آزمائش کا آیا، اور بالآخر حکومت کے مجبور کرنے پر ان کو تلوار ہات مین لینی پڑی، مگر عین موقع جنگ پر ایسی حرکتین کین کہ ان کو سپہ سالار نے میدان جنگ چھوڑ دینے کا حکم دیا، اور یہ خوش خوش وہان سے واپس آگئے،

باوجودیکہ یہ لوگ ایسی یکجا اور یکسان زندگی بسر کرتے تھے، مگر رفتہ رفتہ اس مین بھی دو جماعتین پیدا ہوگئین، ایک اہل لبنان اور دوسرے اہل داتون اور ان کے اختلافات

بھی بڑی حد تک ترقی کر گئے، آجکل بھی یہ جماعت امریکہ کے دو شہر لنبان ( ) اور دایتون ( ) مین موجود ہے، مگر روز بروز تعداد مین کمی ہوتی جاتی ہے، چنانچہ اسوقت صرف ۵۰۰ اشخاص اس جماعت سے تعلق رکھتے ہین، انکو امریکہ مین "مسیحی فقرا" یا مسیحی صوفیون کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے،

"ز"

افغانستان مین علمی اور تعلیمی جدّ و جہد

شاہ امان اللہ خان کے دورِ حکومت نے افغانستان کے سیاسی، تمدنی، تجارتی، زرعی، تعلیمی اور علمی فضا مین ایک حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا ہے، خصوصاً ان چند سالون مین علمی و تعلیمی حیثیت سے جو کارنامے انھون نے انجام دیئے ہین وہ افغانستان کی پوری تاریخ مین زرین حروف سے لکھے جانے کے قابل ہین،

اس بیدار مغز نوجوان فرمانروا نے سیاسی مطلع صاف ہونے کے بعد خاص اپنی نگرانی مین وزارتِ معارف ترتیب دیکر نظامِ تعلیم کا ایک مکمل خاکہ تیار کیا، اور وزارتِ معارف کے زیر اہتمام نہایت قلیل مدت مین ملک مین جابجا سیکڑون ابتدائی، ثانوی اور رشدیہ مدارس قائم کر دیئے، اور خاص دار السلطنت مین ایک عظیم الشان مدرسہ دار العلوم کابل کے نام سے قائم کیا، جس کے نصاب مین دار العلوم ندوۃ العلماء کے طرز پر ہر فن کی قدیم وجدید کتابین نظر آتی ہین، اس کے علاوہ افغانی طلبہ کی ایک کثیر تعداد یورپ کی مختلف درسگاہون مین اعلیٰ تعلیم کی تحصیل کے لیے روانہ کیگئی،

اس وقت وزارتِ معارف کے سامنے اس تعلیمی سلسلہ کے علاوہ ایک علمی نظامِ عمل بھی ہے، مدت گذری کہ ۱۳۳۰ھ مین امیر حبیب اللہ خان کے عہدِ حکومت مین وہان دار التالیف کے نام سے ایک علمی بزم کی بنا پڑی تھی، لیکن سوء اتفاق سے اس مجلس نے اپنے اس بست سالہ دور مین کوئی نمایان خدمت انجام نہ دی، چنانچہ اس بست سالہ جد و جہد کا تمام تر خلاصہ یہ ہے کہ ابتدائی چھ سالون مین کل ۱۸ رسالے تالیف ہوئے، پھر بعد کے چھ سالون مین ۲۰ سے ۲۵ تک رسائل شایع ہوئے، یہانتک کہ اوسط

کے لحاظ سے گویا ہر سال پچاس پچاس صفحون کی تین کتابین، اور ایک کتاب کا کچھ حصہ تالیف ہوا، اس طرح ۲۰ سال کے اندر تقریباً کل ۸۰ کتابین تالیف و ترجمہ ہوئین جنمین سے اکثر ابتدائی مکاتب کے لیے چھوٹے چھوٹے رسائل ہین،

اب وزارتِ معارف نے موجودہ فرمانروائے افغانستان کی سرپرستی مین اس دار التالیف کی طرف بھی خاص توجہ کی ہے، اور اس وقت اس مجلس کے ماتحت ابتدائی مکاتب اور ثانوی و رشدیہ مدرسون کے لیے مکمل نصابِ تعلیم تیار کیا جا رہا ہے، اور اسکے علاوہ مختلف علوم و فنون کی اعلیٰ اور بلند پایہ کتابین تالیف و ترجمہ ہو رہی ہین،

اگرچہ موجودہ فرمانروائے افغانستان کے ابتدائی دو تین سال ملک کے سیاسی مطلع کے غبار آلود ہونے کے باعث ایسے پر آشوب گذرے کہ وہ اس اثنا مین اس مجلس کی طرف کوئی توجہ مبذول نہ کر سکے، لیکن اس کے باوجود ان سالون مین اس مجلس کی شائع شدہ کتابون کی تعداد ۳۰، ۴۰ سے متجاوز ہے،

پھر جب حکومت دوسرے ملکی صیغون کی ترقی و ترتیب اور اندرونی اصلاحات کی طرف متوجہ ہوئی تو یہ مجلس بھی سامنے آئی، اور اس کا دائرہ وسیع کر کے اعلیٰ پیمانہ پر تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری ہوا، اور اسکے علاوہ دیگر زبانون کی اعلیٰ و بلند پایہ کتابون کے ترجمہ کا بھی خاص اہتمام کیا گیا، اور افغانستان کے ممتاز اہل قلم کی ایک بڑی جماعت نے اس علمی مجلس مین حصہ لیا، اور اپنی کوششون سے ایک قلیل مدت مین بیش قیمت علمی و ادبی سرمایہ فراہم کر لیا،

چنانچہ اس وقت تک اس مختصر مدت مین اس مجلس کے زیر اہتمام مختلف علوم و فنون مثلاً تاریخ، سوانح، سیر، جغرافیہ طبعی و ملکی، جدید و قدیم علم ہیئت، حساب، مساحت، کیمیا، قدیم و جدید فلسفہ، علم کلام، سیاست، علم الاقتصاد، علم طب، تشریح، علم التعلیم اور علم تدبیر منزل کی تقریباً ۲۰۰ کتابین تالیف و ترجمہ ہو چکی ہین، جنکا اوسط ایک سال مین سو سو صفحون کی تقریباً ۴۰ کتابین نکلتا ہے،

مسرت کی بات یہ ہے کہ غیر زبانون کی کتابون کے ترجمہ کے سلسلہ مین ہماری زبان اردو کا بھی انتخاب ہوا، اور اس وقت تک اس کی متعدد بلند پایہ کتابین فارسی مین منتقل کیجا چکی ہین، جنمین سے

علامہ شبلی مرحوم کی المامون کے دونون حصے، شعرالعجم کی مکمل جلدین، مولانا حالی کی حیات سعدی، ڈپٹی نذیر احمد صاحب کی بنات النعش، مولانا عبدالماجد کی فلسفۂ جذبات، اور موسیو لیبان کی کتاب کے اردو ترجمہ تمدن عرب کے ترجمے خاص طور پر قابل ذکر ہین،

مجلس دارالتالیف کی نگرانی مین دارالحکومت کابل سے ایک ماہوار رسالہ بھی "آئینۂ عرفان" کے نام سے جناب ہاشم شائق ناظم دارالتالیف کی ادارت مین نکلتا ہے، جس کے تین پرچے اب تک ہمین موصول ہو چکے ہین، رسالہ کتابت وطباعت کے معائب کو نظر انداز کر کے، تاریخ، ادب، اخلاق اور فسانہ کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے، ہم نے اسی آئینۂ عرفان مین کابل کے علم وعرفان کا عکس دیکھا، جسکی ایک جھلک آپ کے سامنے پیش کردیگی،

"ر"

الفاروق

مولانا شبلی مرحوم کی اس مشہور آفاق تصنیف کے بیسون اڈیشن مسخ شدہ صورت مین اور معمولی کاغذ پر بکثرت فروخت ہورہے ہین، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اس کا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائٹیل ضخامت ۳۱۲ صفحے، قیمت للعہ

"منیجر"

اخبار علمیہ

چین کے دو قدیم نقشے، پروفیسر سوتھل نے انگلستان کی جمعیت جغرافیہ مین خطبہ دیتے ہوئے چین کے دو قدیم نقشون کا تذکرہ کیا، جو صوبہ شنسی کے پایہ تخت ہیسانگو مین دستیاب ہوئے تھے، ان کا بیان ہے کہ ان دونون مین سے جو بڑا نقشہ ہے وہ دراصل اس نقشہ کا ایک حصہ ہے جو ۸۰۱ء مین بنایا گیا تھا، اور آٹھوین صدی والا نقشہ تیسری صدی کے ایک نقشہ مین تغیر وتبدل کر کے تیار کیا گیا تھا، اس لیے اس نقشہ سے آٹھوین صدی عیسوی کے چینی شہر واضح ہوتے ہین، اور دوسرا نقشہ اس کے بعد کا ہے، جس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ آٹھوین سے گیارہوین صدی کے اثنا مین بنایا گیا ہوگا، اگر پروفیسر موصوف کا یہ بیان صحیح ہے تو ان نقشون سے بلاد چین کے قدیم جغرافی وتاریخی حالات مین عظیم الشان انقلاب کی امید کیجاتی ہے، اسلیے کہ اب تک علمی دنیا مین چین کے قدیم نقشون مین صرف دو نقشے مشہور تھے، ان مین سے ایک بطلیموس کا شہرۂ آفاق نقشہ ہے، اور دوسرا شریف ادریسی کا جو بارہوین صدی کا ایک عرب جغرافیہ دان گذرا ہے،

جزیرۂ عرب مین بعض حجری تحقیقات، پروفیسر لنگڈن مدت سے حجری تحقیق کے سلسلہ مین عراق اور جزیرۂ عرب کے شمالی حصہ کی صحرانوردی مین مصروف ہین، لیکن انھین سرزمین عراق مین کسی قسم کی کوئی کامیابی نصیب نہین ہوئی، عراق کے بعد انھون نے جزیرۂ عرب کے شمالی حصہ کا دورہ شروع کیا، اور انھین فلسطین وعراق کے درمیان نصر نامی ایک گاؤن مین، اور عمان کے مشرقی جانب ایک مقام حرہ مین پتھر کے چند ہتھیار دستیاب ہوئے، جنکے متعلق ان کا بیان ہے، کہ ان کی تاریخ بیس ہزار سال پیشتر کی طرف لوٹتی ہے، اور اسی سلسلہ مین پروفیسر موصوف کا یہ بیان بھی ہے کہ قدیم زمانہ مین جزیرۂ عرب کے یہ صحرا بارش اور چراگاہون کی کثرت کی

وجہ سے ترائی بنے رہتے تھے، اور ان مین بکثرت جانور پائے جاتے تھے جس کا شکار انہی ہتھیارون سے کیا جاتا تھا،

ایک مشرقی طبیب کی بیش بہا ایجاد، طبیہ کالج بیروت کے ایک تعلیم یافتہ نے جو موصل کے رہنے والے ہین، ایک طبی آلہ ایجاد کرکے علم طب مین ایک خاص اضافہ کیا ہے، اس آلہ کے ذریعہ سے بانجھ عورتون کے اسباب مرض دریافت کیے جاسکتے ہین کہ یہ بانجھپن رحم اور مبیض کی جو ملانے والی نالی ہوتی ہے اس کے بند ہوجانے کی وجہ سے ہے یا اس کے کچھ دوسرے اسباب ہین، اگر پہلی صورت ہوگی تو اس کا کوئی علاج ممکن نہین ہے، کیونکہ یہ اس عورت کی خلقی و فطری بیماری ہے، اور اگر دوسرے اسباب ہون گے تو ان کا ازالہ اس آلہ کی ایجاد کے بعد بآسانی ہوجائے گا، کیونکہ یہ آلہ مرض کے اصلی سبب کی تعیین کردے گا، ڈاکٹر موصوف نے اپنی اس ایجاد کو پیرس کی "انجمن ولادت و امراض نسوانی" کے سامنے پیش کیا ہے، چنانچہ اس انجمن کے نگران کار ڈاکٹر ڈوبے نے اس آلہ کو نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا، اور اعلان کیا کہ اس سلسلہ مین یہ ایجاد سب سے بہتر اور زیادہ بکار آمد ہے،

لینن انسٹی ٹیوشن، لینن روسی انقلاب کے بعد وہان کا زندۂ جاوید ہستی بنگیا، جسکا یہ ادنی ترین مظہر ہے کہ وہان اس کے نام پر شہر، کالج، اور اسپتال وغیرہ قائم ہونے کے علاوہ ابھی حال مین "لینن انسٹی ٹیوشن" کے نام سے ایک "لینن میوزیم" قائم ہوا ہے جس مین اس کے قلم کا ایک ایک حرف جہان تک دستیاب ہوسکا جمع کیا گیا ہے، چنانچہ اس انسٹی ٹیوشن مین اسکی تالیفات، خطوط، اور مختلف کتابون پر اس کے جو حواشی ہین وہ تمام کتابین، اور ان کے علاوہ تمام قلمی مسودات یکجا کئے گئے ہین، اور ایک دوسرے کمرے مین اسکی مختلف مواقع کی تقریرین، ان کے اقتباسات، اس کے سوانح اور روسی انقلاب کی تاریخ کا وہ حصہ جسکا تعلق لینن سے ہے، جمع کیا گیا ہے، اور ایک شیشہ کے برج مین اس کے تمام متروکات جن کو

"آثار لینن" کہا جاتا ہے موجود ہین، اور ایک دوسرے کمرے مین دار المطالعہ قائم کیا گیا ہے، جسمین ایسی تمام کتابین جمع کیگئی ہین، جو یا تو لینن پر لکھی گئین، یا اس کا ان مین تذکرہ موجود ہے،

یونان کا قدیم پایۂ تخت، ایک زمانہ تھا کہ ہومر کی ایلیڈ مین ٹرائیون کے جو واقعات منظوم ہین وہ فسانہ سمجھے جاتے تھے، یہانتک کہ اثری تحقیقات سے وہ پایۂ ثبوت کو پہنچ گئے، اب اسی سلسلہ مین اثری تحقیق کا دائرہ اور وسیع ہوا ہے، چنانچہ گذشتہ سال کے آثار قدیمہ کے اکتشاف سے ثابت ہوا ہے کہ ہومر سے پانچ سو برس پیشتر بلقان، یونان کی مرکزی حکومت کا پایۂ تخت تھا،

دنیا کی زندہ زبانین، دنیا کی تمام زبانون کے آخری اعداد و شمار سے واضح ہوا ہے کہ اس وقت ساری دنیا مین ۲،۷۹۶ زبانین زندہ ہین، جسمین سے ۸۶۰ زبانین ذیل کی ترتیب سے خاص طور پر قابل ذکر ہین

یورپ	۴۸،	ایشیا	۱۵۳
افریقہ	۱۱۸،	جنوبی و شمالی امریکہ	۴۲۴
اوشینیا	۱۱۷		

انسان کی عمر مین اضافہ، عام خیال تو یہ ہے کہ بہ نسبت پہلے کے اب انسان کی متوسط عمر مین روز بروز کمی ہوتی جاتی ہے، لیکن پروفیسر فشی نے اعداد و شمار سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ آئندہ پچاس سالون مین انسان کی متوسط عمر مین زیادتی ہوتی جائے گی، چنانچہ ان کا بیان ہے کہ آجکل متوسط عمر ۵۸ سال کی ہوتی ہے، ۱۹۳۰ء مین ۶۱ ہوگی، ۱۹۴۰ء مین ۶۵، ۱۹۶۰ء مین ۶۹، ۱۹۷۰ء مین ۷۵، ۱۹۹۰ء مین ۸۰، اور ۲۰۰۰ء مین ۸۲ سال کی ہوگی۔
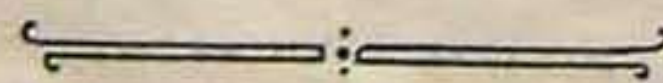
عرب اکاڈیمی کا ایک ہندوستانی ممبر، دمشق مین عرب ایکاڈیمی (المجمع العلمی العربی) کے نام سے

جو علمی مجلس قائم ہے، اور جو عربی زبان کی ترقی واصلاح اور وضع اصطلاحات کے کام نہایت خوبی سے انجام دے رہی ہے، اسمین تقریباً تمام عربی ممالک عراق، شام، مصر، تونس، الجزائر، اور عرب کے دوسرے حصون کے ممتاز اہل علم اعزازی ارکان ہین، یورپ کے مشاہیر مستشرقین بھی اس کے رفیق ہین، لیکن افسوس کی بات تھی کہ اب تک ہندوستان کے ۷ کروڑ مسلمان جنمین عربی جاننے والے اور عربی علوم کے ماہرین کی کمی نہین قطعاً اس شرف سے محروم تھے، اور شام کا کوئی علمی تعلق ہندوستان سے نہ تھا، اب اہل شام نے اس کمی کو خود محسوس کیا، اور ہندوستان مین سے جناب مسیح الملک حکیم اجمل خان صاحب کو دو تین مہینے ہوئے کہ اس عرب اکاڈیمی نے اپنا اعزازی رکن منتخب کیا ہے،

شیخ خضری کی وفات، شیخ خضری کا جو مصر کے مشہور علماء مین تھے، پچھلے مہینہ مین انتقال ہوگیا، یہ مفتی عبدہ کے صحبت یافتہ تھے، وہان کی جامعہ مصریہ مین اسلامی تاریخ کے پروفیسر رہ چکے تھے، اور کئی مفید کتابون کے مصنف تھے، جنمین سے ان کی تاریخ اسلام سب سے مشہور کتاب ہے، جسکی تلخیص، یا ترجمہ جامعہ ملیہ مین تاریخ امت کے نام سے کیا گیا ہے، جو عام طور سے نہایت پسند کیگئی، اور بیحد مقبول ہوئی،

یورپ کی ایک قدیم رسم، ایک مدت سے دستور تھا کہ پوپ کسی کے ساتھ کھانا نہین کھاتے تھے، اور کسی نے کی میت کا یہ شرف وہ کسی کو عطا نہین کرتے تھے. وٹیکن (اٹلی کے پایۂ تخت رومہ کا وہ قدیم حصہ جو پوپ کا مسکن ہے) کے حدود مین اس قدیم رسم کی نہایت سخت پابندی کی جاتی تھی، کچھ دن ہوئے کہ وٹیکن والون کی نارضامندی کے باوجود موجودہ پوپ بیوس دہم نے اس رسم کو توڑ دیا، اور اس نے علانیہ بعض مخصوص لوگون کے ساتھ کھانا شروع کر دیا ہے،

"ر"

ادبیات

نگاہِ حقیقت

از مولنا وحید الدین صاحب سلیم پانی پتی،

حیرت مین ہے نگاہ، جدھر دیکھتا ہون مین
آئینہ خانہ پیشِ نظر دیکھتا ہون مین

ایک آرزو نے ڈال دی ہلچل سی ناگہان
دنیائے دل کو زیر و زبر دیکھتا ہون مین

تیری نگاہِ لطف تماشا دکھا گئی
دنیا و دین کو شیر و شکر دیکھتا ہون مین

اٹھے گا ایک دن یہ تمناؤن کا جہان
ثبت اپنے قلب پر یہ خبر دیکھتا ہون مین

ناکامیون کا پردہ الٹتا ہون جب کبھی
روئے عروسِ فتح و ظفر دیکھتا ہون مین

ہون جب سے غرق تیرے کرم کے خیال مین
بحرِ جہان کو تا بہ کمر دیکھتا ہون مین

بخشی ہین مرے ذرہ کو تونے وہ رفعتین
سجدہ مین آفتاب کا سر دیکھتا ہون مین

سورج کی زد مین گرچہ فنا کا یقین ہے
شبنم کو پھر بھی سینہ سپر دیکھتا ہون مین

دیکھون مین تیرا جلوۂ بے رنگ کس طرح
نیرنگیون کا دل پہ اثر دیکھتا ہون مین

دل سے کس آفتاب کے اٹھنے کا وقت ہے
رگ رگ مین اپنے نورِ سحر دیکھتا ہون مین

مین خوب دیکھتا ہون، کدھر دیکھتے ہو تم
تم دیکھتے نہین کہ کدھر دیکھتا ہون مین

مزدور کو یہ ایک مبصر نے دی صدا
محنت کے سنگریزون مین زر دیکھتا ہون مین

کس بام پر ہے مرغِ تخیل کا اب گذر
لرزہ مین جبرئیل کا پر دیکھتا ہون مین

کن کن بتون کو سجدہ کیا تیرے سامنے
پیشانی اپنی شرم سے تر دیکھتا ہون مین

دولت کی بستیون سے ہے ہستی تری بعید
اجڑے دلون مین تیرا گذر دیکھتا ہون مین

زر کو غرور زر نے یہ دی زور سے صدا
خرمن مین تیرے رقص شرر دیکھتا ہون مین

چھوٹے نہ بندگی کہین دامن خدائی کا
معراج ارتقائے بشر دیکھتا ہون مین

آنکھین کھلین نہ دل کی ان آنکھون کے ساتھ حیف!
کچھ دیکھتا نہین ہون، اگر دیکھتا ہون مین

یہ خاکِ مغلسی مین جو ذرے چمکتے ہین
پوشیدہ ان مین شمس و قمر دیکھتا ہون مین

رگ رگ مین ہے شریعت کی نہرِ لبن روان
حاسد کے دل مین نارِ سقر دیکھتا ہون مین

کرتا ہے منع دل کو پریشان نگاہی سے
شاید نہ رک سکے وہ مگر دیکھتا ہون مین

محنت بدلنے والی ہے راحت سے بیگمان
خونِ جگر برنگِ دگر دیکھتا ہون مین

ہر پھر کے ایک نقطہ پہ آتی ہے ہر نگاہ
بحرِ جہان کو ایک بھنور دیکھتا ہون مین

ڈھونڈھون کہان تجھے کہ تری جلوہ گاہ مین
اڑتا ہوا غبارِ نظر دیکھتا ہون مین

کلامِ اکبر

از جناب جلال الدین صاحب اکبر بی اے، لاہور

وہ ہین اور لطفِ جور سے انکار
مین ہون اور ذوقِ لذتِ آزار

اور بھی بڑھ گیا تغافلِ یار
دیکھ کر میرے پے بہ پے اصرار

کرکے انکار مسکرا دینا
آہ یہ طرزِ دلکش اقرار

تھے رہِ عشق مین نشیب و فراز
شوق نے کر دیئے مگر ہموار

—— • ——

ہر ستم مین ہے لطف کا پہلو
کس طرح ہون مین خوگرِ آزار

نہ کیا کام وہ جو کام آئے
کٹ گئے زندگی کے دن بیکار

جائزہ دلفریب مین ہے خزان
ہم کو معلوم ہے فروغِ بہار

جھک گئین ان کے روبرو آنکھین
ہوگیا فرطِ شوق کا اظہار

ہے فقط تیرے غم کا پاس مجھے
ورنہ مرنا تو کچھ نہین دشوار

حالِ دل اب سنا بھی دے اکبر
دے رہے ہین وہ رخصتِ اظہار

فکرِ حزین

سید محمد حزین، نوگانوی، ایچ، پی،

جامے زمے ارغوانی خواہم
ظاہر ندہی گریہ نہانی خواہم

اے ساقیِ مہ پارہ فدایت گردم
یک بار دگر کیفِ جوانی خواہم

قطعاتِ عزیز

از مرزا عزیز دارا پوری، لاہور

چشمِ گریان دلِ تپان دادست
لذتِ دردِ بیکران دادست

چہ عجب منعم است و بندہ نواز
آنچہ من خواستم ہمان دادست

—— • ——

تو بگوئی کہ دیدِ یار خوش است
نغمۂ و بادہ و بہار خوش است

منِ فرقت نصیب را لیکن
تا دمِ مرگ انتظار خوش است

—— • ——

سترِ پوشیدۂ خلوتِ من داد
رازِ سربستۂ الفتِ من داد

برزبانہاست قصۂ صد قیس
کس نداند حکایتِ من داد

باب التقریظ والانتقاد

باقیاتِ فانی

از

جناب جلیل قدوائی، بی اے (علیگ)

بڑے انتظار اور بڑی تمناؤں کے بعد یہ کتاب دیکھنے کو نصیب ہوئی ہے، ایک وقت تھا کہ علی گڑھ میں ہر شخص کی زبان پر فانی کا کلام تھا، اور ان کے تازہ رشحاتِ فکر کے لیے "علی گڑھ میگزین" کے ہر نئے نمبر کا بےچینی سے انتظار کیا جاتا تھا جس میں ان کا کلام بالالتزام ہر ماہ بہترین طباعت و زیبائش کے ساتھ پیش ہوتا تھا، پھر یہ ہوا کہ (یادش بخیر!) خواجہ منظور (خواجہ منظور حسین صاحب ایم اے علیگ حال متعلم آکسفورڈ) کو فانی کا منتشر کلام منضبط کرنے کا خیال پیدا ہوا، اور ہمین مسودہ کی ترتیب، تیاری اور صفائی کے مراحل سے گذرنے کا شرف حاصل ہوا، "میگزین" میں اس کے زیر طبع ہونے کا اعلان بھی بڑی دھوم دھام سے کیا گیا مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا اور ع

آن قدح بشکست وآن ساقی نماند

"میگزین" کے انتظامات میں تبدیلیاں ہوئیں اور یہ تمام "کاروبار" "میگزین کی ملکیت" قرار پاکر نذرِ اغیار ہوا، ہمین یہ نہیں معلوم کہ اس کے بعد ع

داغِ دل پہ کیا گذری نقشِ مدعا ہو کر

"میگزین" میں فانی صاحب جلوہ گر بھی ہوتے رہے، ان کے ارادت مندون کے دل بھی ان کی طرف سے نہیں پھرے تاہم ع

ترا عاشق شود پیدا ولے مجنون نخواہد شد

کوئی بات تھی کہ آج کئی برس کے بعد وہ مجموعہ ہمین "باقیاتِ فانی" کی صورت میں دیکھنے کو ملا، ایک صاحب اسے ہماری میز پر دیکھ کر فرمانے لگے "یہ فانی صاحب کون ہین؟"

شوکت علی خان صاحب فانی، بی اے، ال ال بی (علیگ) اردو کے ان چند شعرا میں سے ہین جنھون نے اردو شاعری میں تغزل کی اصلاح نہیں کی ہے اسکی بنا ڈالی ہے، ان کا تعارف کسی لمبی چوڑی تمہید کیسا تھ دنیائے ادب سے کرانا ایک امر فضول ہی نہیں انکی شاعری کی ہمہ گیر مقبولیت اور عظمت کی توہین ہے، ان کی شاعری پر کوئی بسیط مقالہ سپردِ قلم کرنا ہماری استعداد سے بالا ہے، آنے والے ناقدین کو کلامِ فانی پر تبصرہ کرتے وقت اس کے لیے پہلے سے بہت کچھ تیاری کرنا پڑے گی، اس صحبت میں ہم "باقیاتِ فانی" پر مختصر اظہارِ خیال کرنا چاہتے ہین،

"باقیاتِ فانی" چھوٹے سائز کی ایک خوشنما کتاب ہے، جسے فانی صاحب نے عالی جناب مہاراجہ سر کشن پرشاد شاد کے نام سے معنون کیا ہے، پھر فانی صاحب کا فوٹو ہے جو افسوس ہے کہ ٹھیک نہیں آیا، اس کے بعد رشید صاحب (پروفیسر رشید احمد صدیقی ایم اے علیگ) نے ۲۲ صفحات کا ایک طولانی مقدمہ لکھا ہے، اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ کلامِ فانی کے شیدائیون میں مقدمہ نویسی کے فرض سے اس سے بہتر طور پر شاید ہی کوئی اور عہدہ برآ ہو سکتا، پھر کچھ صفحات حضرت جگر مرادآبادی کے لطیف تبصرو نے لیے ہین، اس کے بعد ۱۲۰ صفحات پر مکمل دیوان محیط ہے

رشید صاحب نے اپنے مقدمہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، پہلا حصہ جو سہیل میں "اردو شاعری پر ایک نظر" اور علٰحدہ کتابی صورت میں "سرود بوستان" کے نام سے شائع ہو چکا ہے، ایک اجمالی تبصرہ ہے اور دوسرے حصہ میں فانی صاحب کو اس تبصرہ کے معیار پر تولا گیا ہے، اردو شاعری میں یہ مقدمہ اس قابل ہے کہ ہمارے شعراء کو شمع ہدایت کا کام دے اور ہر وقت ان کے زیر نظر رہے، صفحہ ۱۹ پر رشید صاحب لکھتے ہیں:-

"شاعری کو حقیقت اور "انسانیت" کا ترجمان ہونا چاہیئے، نہ یہ کہ وہ کس زبان، کس قوم، کس ملک، کس زمانہ اور کن روایات کی ترجمانی ہے، شعرائے اردو کے سامنے میر، غالب، انیس، حالی، اکبر یا اقبال، حسرت، اصغر، فانی، دسہیل نہ ہونے چاہئیں، بلکہ ان کے سامنے الوہیت کے وہ اسرار ہونے چاہئیں، جن سے انسانی ہستی مرکب ہے، جنکے دریافت کرنے یا اظہار کرنے کی آرزو شرف انسانیت و معیار ترقی ہے، اور جنکا حصول انسانی زندگی کا مقدس نصب العین ہے، بالفاظ دیگر ان کے سامنے شعراء کے دواوین کے بجائے صحیفۂ فطرت ہونا چاہیئے، الفاظ و نقوش کی ترتیب کے بجائے انکو واقعات اور حالات کی ترتیب پر نظر رکھنی چاہیئے، محاورہ اور روزمرہ کے بجائے زمانہ کے نشیب و فراز اور قلزم حیات کے جذر و مد کو ملحوظ رکھنا چاہیئے، ردیف اور قافیہ سے زیادہ خیالات اور جذبات کی موزونی پیش نظر ہو، رقص ترکیب اور ترنم الفاظ کے ساتھ اس کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ الفاظ و معانی میں باہم توازن بھی ہے یا نہیں، یہ نہیں تو ممکن ہے واہ واہ کا خلعت و انعام حاصل ہو جائے، بقائے دوام کا خلعت اور ہم صفیری ملائک کا طغرائے امتیاز کہاں!"

شاعری کا جو بلند معیار اور نصب العین اوپر کی عبارت میں پیش کیا گیا ہے، کتنے شعراء ہمارے یہاں ایسے ہیں جو بغیر خجل ہوئے اس کے احساس کا اعتراف کرینگے، ایک طرف تو وہ گروہ ہے جو الفاظ کا بندہ ہے جنکی کم نظری اور کم نصیبی اسے اس بات کا موقع نہیں دیتی ہے کہ وہ لکھنے سے پہلے پڑھے اور سوچے، جس کے یہاں شاعری نام ہے چند بے کیف الفاظ کو ترتیب دے دینے کا، احساسات دل میں پیدا ہوئے ہوں یا نہ ہوئے

ہوں، کسی حقیقت کو نظم کرنے سے پہلے اس پر کچھ وقت صرف کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو، الفاظ اور محاورہ کی ترتیب سے شعر کا وجود میں آجانا اور کہنے والے کا شاعر بن جانا ناگزیر ہے، دوسری طرف وہ طبقہ ہے جو فلسفہ و معارف سے "حقیقت آشنا" ہونے کے زعم میں اسکی خبر نہیں رکھتا کہ اسکی بکواس شاعری ہے یا مرحوم سجاد انصاری کے الفاظ میں "ایک مصیبت"، ہمیں امید ہے کہ رشید صاحب کے ان الفاظ سے فائدہ اٹھا کر ہمارے شعراء اس باہمی کشاکش سے نکل کر ایک بیچ کا راستہ نکال لیں گے، اور یہ ہماری قومی شاعری کے لیے فال نیک ہوگی،

رشید صاحب کے مقدمہ کا پہلا حصہ صحت ذوق، اصابت رائے، علوے خیال، اور لطافت انشا کے لحاظ سے اردو میں بالکل ایک نئی چیز ہے، جو معیار اس میں شاعری کا پیش کیا گیا ہے وہ یقیناً ایک مستحسن خیال ہے اور دنیا کی شاعری کے معیار کا نچوڑ ہے، لیکن دوسرے حصہ میں جہاں رشید صاحب نے فانی صاحب کو اس معیار پر تولا ہے، ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انھیں خود محسوس ہوا ہوگا کہ اس میں انھیں کامیابی نہیں ہوئی ہے، فانی صاحب بلاشبہ اردو کے ایک بہت اچھے شاعر ہیں اور ان کے ارادت مندوں کے زمرہ میں شریک ہونے کی سعادت ہمیں بھی حاصل ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ شاعری میں جو کچھ کرنا تھا وہ سب فانی نے ختم کر دیا اور اب اردو شعراء کے لیے میدان خالی ہے، ہر شاعر کا ایک انفرادی رنگ ہوتا ہے، اور یہ رنگ ہی اس کا اصلی جوہر ہے یہی اسے بقائے دوام بخشتا ہے اور یہی اسکی مستقل ہستی ہوتی ہے، لیکن شاعری کا ایک بلند معیار پیش کر کے کسی شاعر کو ہر رنگ سخن (پیش پا افتادہ اور جدید) میں کوشش کر کے پیش کر دینا ہم نہیں سمجھتے کہاں تک حق بجانب ہے، ہمیں رشید صاحب کے آرا، کا احترام ہے، ہمیں شکایت تو اس سے ہے کہ فانی صاحب کی اصلی جگہ ان سے لے لی گئی اور (شاعری کی مناسبت سے) ان کے ذرات ہستی کو منتشر کر کے تھوڑا تھوڑا ہر جگہ بکھیر دیا گیا، رشید صاحب نے شعر و شاعری پر اسقدر غائر نظر ڈالی ہے کہ "باقیات فانی" پر مقدمہ لکھنے کا مقصد فوت ہو گیا، تنقید در تبصرہ کا اگر یہ مقصد ہے کہ شاعری اپنی اصلی صورت میں نظر آنے لگے تو افسوس ہے کہ یہ مقدمہ ایک جلی آئینہ ہے جو فانی کو ان کے اصلی گوشت پوست اور ضخامت سے کہیں زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے، اور فانی سے زیادہ خود رشید صاحب کی غمازی کرتا ہے، رشید صاحب لکھتے ہیں

"اشعار کو ایک قسم کا ڈراما بنا دینا چاہیے جس مین الفاظ بمنزلہ ایکٹرز کے ہون ان کی ترتیب ڈرامے کا پلاٹ ہو ان کا ترنم ڈرامے کی موسیقی ان کا اتار چڑھاؤ اسٹیج کے نغمہ و سرود کی ہم آہنگی ہو......"

ہم نہین کہہ سکتے یہ رشید صاحب کا ذاتی خیال ہے یا کہین سے ماخوذ، مگر ناظرین خود انصاف کرین ایک طرف تو یہ معیار شاعری ہے جس کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ یہ اردو مین قبل از وقت ہے، اور دوسری طرف کلام فانی کی جو خصوصیات انھون نے گنائی ہین ان مین سے بعض یہ بھی ہین:-

۱۔ مومن کی طرح فانی کا مقطع ان کی غزل کی جان ہوتا ہے،

۲۔ معاملہ بندی اور لگاوٹ۔

۳۔ زبان و محاورہ"

رشید صاحب کے مقدمہ پر مفصل اظہار خیال کرنے کے لیے خود ایک مستقل مضمون درکار ہے اس وقت ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہین کہ انھون نے مقدمہ نویسی جیسے سنجیدہ فرض کو ظریفانہ انداز سے نباہ کر نفس موضوع کی سنجیدگی کو ناظرین پر بار نہین بنایا، اردو مین عام طور پر ایک بے راہ رو طبقہ نے آرٹ کا جو مفہوم سمجھ رکھا ہے اس کے بیان کے سلسلہ مین لکھتے لکھتے ایک دفعہ جھرجھری لیتے ہین:-

"...... ان بزرگون کے نزدیک ان کی ہر لغزش یا برہنگی کا جواز آرٹ مین مل سکتا ہے، ان کے نزدیک دو اور دو چار کہنا بھی آرٹ ہے، اور دو اور دو چار سو کہنا بھی آرٹ، اپنی کمزوریان بھی آرٹ اور دوسرون کی بیویان بھی آرٹ......"

رشید صاحب کی ضحک نگاری کے دلدادون کو یہ معلوم کرکے ملال ہوگا کہ وہ اپنے قدیم رنگ کو اپنے لیے باعث ننگ سمجھتے ہین، حالانکہ وہی ایک رنگ تھا جس مین وہ اپنی انفرادیت قائم رکھ سکتے تھے، اور وہ ان کے ساتھ خصوصیت کیساتھ منسوب ہو سکتا تھا، اس صنف سے علحدہ کچھ عرصہ سے انھین سنجیدہ ادبی کامون سے دلچسپی ہو گئی ہے، مگر جو بات طبیعت مین رچ گئی ہو اس سے دست برداری رفتہ ہی رفتہ ہو سکتی ہے، ان کی سنجیدہ شوخی یا شوخ

سنجیدگی" بعض حلقون مین اب تک مابہ النزاع ہے، لیکن اس خیال سے کم لوگون کو اختلاف ہو گا کہ اب ان کی ظرافت کی حیثیت محض ثانوی "دخل در معقولات" کی رہ گئی ہے، یا یون سمجھیے کہ وہ اب ان کے گذشتہ کیف افزا و سرور انگیز طرز انشاء کا ایک بے محل "غمزۂ پیری" ہے، جو ان کے ارادت مندون کو بے دل و مایوس بناتا ہے۔

اپنے خیال کی تائید مزید کی خاطر ہم ذیل کی عبارت پیش کرتے ہین جہان انھون نے اپنے خیال مین نہایت پر لطف اور مناسب طریقہ پر اپنی صفائی پیش کی ہے، ابتدا مین کبھی آپ نے:-

"بہ ہزار دقت اور اس مین غالباً کچھ سرقہ اور آتا ہی توارد شامل تھا، دو مصرعے گھڑے گئے لیکن قبل مسیح اڈیشن کے ایک استاد نے

عیسی کی تعین جس نے آنکھیں دیکھیں

بتایا کہ ایک مصرعہ تو موزون نہین ہے، اور دوسرا بے معنی ہے، مین نے جی کڑا کر کے دریافت کیا کہ اگر دونون ملا دیئے جائین تو کچھ کام کی بات نکل آئے گی؟ انھون نے کہا دو مہمل مگر ایک معقول کب ہوتا ہے، مین نے ذرا ڈھیٹ ہو کر کہا کیا آخر انگریزی مین "بلینک ورس" بھی تو مروج ہے؟ کہنے لگے اردو مین زٹل قافیہ بھی تو ہے......"

مطلب یہ ہے کہ جو چیز پہلے مخصوص دلون کو گرماتی اور روح کو مسرور کرتی تھی، اب وہ وقف عام ہے اور ہر شخص اس سے اپنی استعداد کے مطابق لذت یاب ہو سکتا ہے، جو چیز پہلے دل کے پردون کو کھولتی تھی اور لب پر خفیف تموج لاتی تھی، اب وہ قہقہون سے بازاری تماشائیون کے پیٹ مین بل ڈالکر منھ سے کف آمد کرا سکتی ہے...... ہمارا یہ پرخلوص مشورہ ہے کہ رشید صاحب آئندہ سے اپنے راستہ کے انتخاب مین صحیح فیصلہ کرین، اور اپنے دل سے اس خیال خام کو دور کر دین کہ ایک ہی وقت مین وہ دو راستے اختیار کر کے دونون فریق کو راضی رکھ سکتے ہین، فریقین کی رضامندی برطرف، ہمین اندیشہ ہے کہ کہین وہ جگر کے قول کے خلاف "منزل مقصد پر پہنچنے" سے قبل ہی "کھو نہ جائین"۔

رشید صاحب نے جو توقعات اپنے مقدمہ کے پہلے حصہ مین ناظرین کے دلون مین پیدا کی ہین، انھین دوسرے حصے مین پورا نہین کر سکے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلا حصہ لکھتے وقت کتاب زیر غور نظر کے سامنے ہی نہ تھی، انھون نے غالب اور فانی کے بعض اشعار کا مقابلہ بھی کیا ہے، اور فانی کے اشعار کو غالب کے اشعار پر ترجیح دی ہے کہین کہین یہ مقابلہ بہت خطرناک حد تک پہنچ گیا ہے، ہم نہین کہ سکتے، یہ طریقۂ تنقید کہان تک محفوظ اور حق بجانب ہے، کتنے اشعار ایسے ہین جنھین فانی کو غالب کے مقابلہ مین شکست بھی ہوئی ہے لیکن کیا: اس سے غالب اور فانی کی عظمت مین کوئی فرق نہین آتا، چونکہ ہم اس طرزِ تنقید کو مناسب نہین سمجھتے اس لئے محض لطف اٹھانے کے لیے اور غور کرنے کے لیے ہم بعض جگہ فانی کا کلام پیش کرتے ہین، اگر ان کے معاصر شعراء کا کلام پیش کردین تو ناظرین اس سے کسی غلط فہمی مین نہ مبتلا ہون،

حضرت جگر مرادآبادی کے تبصرہ کے متعلق صرف اس قدر لکھ دینا کافی ہے کہ وہ ایک مجسم لطافت و محسوسات شخص کا لکھا ہوا ہے، اور اس لیے یقینی طور پر لطیف ہے اور دلون کو زیادہ قابلِ قبول، اس قدر لکھ دینے کے بعد اب ہم "باقیاتِ فانی" پر مختصراً اپنے ذاتی خیالات قلم بند کرنا چاہتے ہین، یہ بتا دینا شروع ہی مین بہتر ہوگا کہ ہمارا یہ خیال غلط نکلا کہ "باقیاتِ فانی" وہی مسودہ ہے جو ہماری نظرون اور ہمارے خیالون مین کبھی رہ چکا تھا، یہ وہی مسودہ ہے لیکن اس مین کافی تراش و خراش ہوئی ہے اور بہت سی اور غزلین اضافہ کیگئی ہین،

صاحب شعر الہند نے فانی صاحب کے متعلق ذیل کے خیالات ظاہر کئے ہین:-

"حسرت کے ہم زمزم و ہمنوا ہین، پہلے قدیم لکھنؤ کے رنگ مین کہتے تھے،... لیکن بعد کو غالباً حسرت ہی کے اثرِ صحبت سے دلی کے رنگ مین کہنے لگے...... ان کے کلام مین جابجا تصوف و فلسفہ کے رموز و اسرار بھی نظر آتے ہین اور یہ بھی اسی رنگ کے امتیازی خصوصیات ہین...."

ہمارا خیال ہے کہ شعر الہند مین فانی سے بڑھ کر کسی اور شاعر پر شاید اس قدر صحیح تنقید نہین کیگئی، فانی حسرت ہی کے ہم زمزم و ہمنوا ہین اور ان کے تمام کلام مین وہی حصہ بہترین ہے جسمین حسرت کا رنگ پایا جاتا ہے، اور شاید

یہی وجہ ہے کہ فانی "یاسیات کے امام" کہے جاتے ہین، ایک ہلکا ہلکا افسردگی اور حزن کا رنگ ان کے تمام کلام مین پایا جاتا ہے، جو بجائے آنکھون سے آنسو بہانے کے دل مین چپکے چپکے نشتر چبھوتا ہے اور میٹھا میٹھا درد پیدا کرتا ہے، ذیل کی غزلین جو حسرت کی غزلون سے ملتی جلتی ہین ملاحظہ ہون:-

لاؤ کچھ تکملۂ شوق کا سامان کرلین دلِ بیتاب کو بھی دیدۂ حیران کرلین
ہر نفس وقفِ خیالِ رخِ جانان کرلین زندگی ہجر مین دشوار ہے آسان کرلین

آزردہ کیون ہوئے مری آشفتگی سے تم آخر یہی تو زلف شکن در شکن مین تھی
اس کے سوا نہین خبرِ آشیان سے مجھے مین تھا اسیرِ دام تو بجلی چمن مین تھی
وہ گل ہے گل جسے تری خلوت مین بار تھا وہ شمع شمع ہے جو تری انجمن مین تھی
کیون سادگی مین طور کچھ اب بانکپن کے ہین کل تک تو سادگی کی ادا بانکپن مین تھی
بدلا ہوا تھا رنگ گلون کا ترے بغیر کچھ خاک سی اڑی ہوئی سارے چمن مین تھی

ہم اپنے جی سے گذرے یون سحر کی شبِ غم بڑھ چلی تھی مختصر کی
تمھین کس دل سے اپنی جان کہیے وفا اس نے تو کی اور عمر بھر کی
دلِ قتل ان کے ہاتھون یہ تو باتین کچھ ان کے منہ کی ہین کچھ نامہ بر کی

یہ ہستیِ دو روزہ گویا کہ نہین فانی اللہ رے ترا لے دل اندازِ پریشانی
سن میری خموشی سے افسانۂ غم میرا وز دیدہ نگاہی سے کر پرسشِ پنہانی
مانا کہ غمِ جانان غارت گرِ سامان ہو رکھا ہی یہان کیا ہے جز بے سروسامانی

ناظرین اندازہ فرمائین، مندرجۂ بالا غزلین ظاہری و معنوی دونون اعتبار سے حسرت کی معلوم ہوتی ہین یا نہین، وہی روانی و سلاست، وہی ندرتِ ادا، وہی لطیف نزاکتین اور وہی دھیما دھیما اثر، ان خصوصیات کے علاوہ بحرین بھی وہی ہین جو حسرت سے مخصوص سمجھی جاتی ہین اور قافیہ اور ردیف بھی وہی۔

بعض جگہ پرانے رنگ کے اشعار اور پرانے طرز کی غزلین عجیب اچھوتے اور پرکیف طریقہ سے لکھی گئی ہین

ادا سے آڑ مین خنجر کے منھ چھپائے ہوئے
مری قضا کو وہ لائے دلھن بنائے ہوئے

بلائے جان ہو مگر پھر بھی آرزو ہو تری
ہم اس کو اپنے کلیجہ سے ہین لگائے ہوئے

سحر ہوئی کہ وہ یادش بخیر آتا ہے
چراغ ہین مری تربت کے جھلملائے ہوئے

تمھین کہو تمھین اپنا سمجھ کے کیا پایا
مگر یہی کہ جو اپنے تھے سب پرائے ہوئے

اجل کو مژدۂ فرصت کہ آج فانیِ زار
امیدِ وصل سے بیٹھا ہے لو لگائے ہوئے

ذیل کے اشعار مین قدما کا رنگ کس درجہ جاری و ساری ہے:۔

آہ بتون پر دل کیا آیا، ہاتھ ہی سے نادان گیا
خیر بلا سے دل ہی جاتا، جان گئی ایمان گیا۔

اک فسانہ سن گئے اک کہہ گئے
مین جو رویا مسکرا کر رہ گئے

یا ترے محتاج ہین اے خونِ دل
یا انھین آنکھون سے دریا بہہ گئے

تو سلامت ہو تو ہم اے دردِ دل
مر ہی جائین گے جو جیتے رہ گئے

پھر کسی کی یاد نے تڑپا دیا
پھر کلیجہ تھام کر ہم رہ گئے

ان اشعار سے بخوبی اندازہ ہو سکے گا کہ فانی کس حد تک حسرت موہانی کے "اثرِ صحبت" کے ممنون ہین اور ان کے رنگ کی ان کے کلام مین کہان تک جھلک ہے، ہمارا یہ یقین ہے کہ فانی صاحب کے کلام کا یہی

رنگ ان کا انفرادی رنگ ہے جسمین سادگی، نرمی اور گھلاوٹ پائی جاتی ہے، حسرت کے فیضِ اثر کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ فانی صاحب بعض جگہ ان مین گم ہو جاتے ہین اور پڑھنے والے کو امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اس ساز مین کون پردہ نغمہ سرا ہے، اس اثر کو رشید صاحب نے اپنے مقدمہ مین کہین نہین ظاہر کیا ہے، حالانکہ یہی پہلا اثر تھا جس نے فانی کی شاعری کو مقبول و محبوب بنایا تھا اور جس سے ان کے کلام کا ایک بہت بڑا حصہ بھرا پڑا ہے، مشقِ سخن نے آگے چل کر انھین پختہ کار بنا دیا اور وہ ایسے اشعار کہنے لگے جنمین ان کی استادی اور انفرادیت پوری پوری قائم رہتی ہے،

پھر دلِ بیتاب ہے آرامِ جانِ اضطراب
پھر تمنا ہے کسی کی میہمانِ اضطراب

ہم کیون ہوئے جاتے ہین قائل آہ کی تاثیر کے
اس نے کیا کہکر بڑھا دی آج شانِ اضطراب

مجھ کو مضطر دیکھکر ان کو حجاب آنے لگا
ہو چلی ہین وہ نگاہین رازدانِ اضطراب

اشک ایک اک کر کے سب آوارۂ دامن ہوئے
رفتہ رفتہ مٹ گیا نام و نشانِ اضطراب

وقتِ عرضِ حالِ دل اس فکر نے مارا مجھے
کیجئے آغاز کیونکر داستانِ اضطراب

دشمنِ جان تھے تو جانِ مدعا کیون ہو گئے
تم کسی کی زندگی کا آسرا کیون ہو گئے

کچھ نہ کہنا وہ کسی مجبورِ خاموشی کا ہائے
وہ جنازہ پر ترا کہنا خفا کیون ہو گئے

کیا تمھین اندازۂ ضبطِ محبت ہو گیا
چشمِ بد دور اب ستم حد سے سوا کیون ہو گئے

اور فانی بڑھ گئی بیتابیِ دل بعد مرگ
کیا کہین مر کر گرفتارِ بلا کیون ہو گئے

وحشتِ عشق نے جب ہوش مین لانا چاہا
عقلِ کج فہم نے دیوانہ بنانا چاہا

پھر کچھ اے بیخبری تجھ مین کمی ہوتی ہے
درد نے کیا مجھے پھر ہوش مین لانا چاہا

اے اجل اے جانِ فانیؔ تو نے یہ کیا کر دیا
مارڈالا مرنے والے کو کہ اچھا کر دیا

جب ترا ذکر آگیا ہم دفعتہً چپ ہو گئے
وہ چھپایا رازِ دل ہم نے کہ افشا کر دیا

یون چرائین اس نے آنکھین سادگی تو دیکھئے
بزم مین گویا مری جانب اشارا کر دیا

دردمندانِ ازل پر عشق کا احسان نہین
درد یان دل سے گیا کب تھا کہ پیدا کر دیا

بچ رہا تھا ایک آنسو دارو گیرِ ضبط سے
جوششِ غم نے پھر اس قطرے کو دریا کر دیا

اب لب پہ وہ ہنگامۂ فریاد نہین ہے
اللہ ری تری یاد کہ کچھ یاد نہین ہے،

آتی ہے صبا سوئے لحد ان کی گلی سے
شاید مری مٹی ابھی برباد نہین ہے

آمادۂ فریادرسی ہے وہ ستمگر
فریاد! کہ اب طاقتِ فریاد نہین ہے

دنیا مین دیارِ دلِ فانیؔ کے سوا ہائے
کوئی بھی وہ بستی ہے جو آباد نہین ہے

دوسرا گہرا اور پائدار اثر فانیؔ کے کلام پر غالبؔ کا ہے، اسے ہم دوسرا درجہ دیتے ہین، غالبؔ کے رنگِ سخن کی اتباع مین فانیؔ کے کلام کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نصف سے زیادہ کلام اسی رنگ مین ہے، اور جسطرح غالبؔ کے کلام مین انکی سادگی اور غالبیت کا علیحدہ علیحدہ ذائقہ ہے، اسی طرح فانیؔ کے کلام مین بھی ہر دو طرح کے کلام کا اپنا جدا جدا مزہ ہے، اس مین شک نہین کہ فانیؔ اب جو کچھ لکھتے ہین وہ غالبؔ کے رنگِ سخن سے متاثر ہو کر لکھتے ہین، اور دنیا انھین اسی حیثیت سے جانتی ہے اور شاید اپنے لیے بھی وہ اس آخری اثر کو قابلِ فخر سمجھتے ہون، مگر ہمارا خیال ہے کہ ہر چند کہ انھین اس رنگ مین کامیابی اور مقبولیت حاصل ہوئی ہے، اور ممکن ہے آیندہ اور مقبولیت حاصل ہو" باقیاتِ فانیؔ" کا بہترین حصہ وہی حصہ ہے، جو حسرتؔ کے اثر کا ممنون ہے، اس مین جو آمد اور بے ساختہ پن ہے وہ اس دوسرے حصہ مین کم ہے، ہم اپنے بیان کو مثالون سے واضح کرینگے، فانیؔ غالبؔ کی طرح ادق و دشوار لکھ سکتے ہین :-

فصلِ خبر بڑھا گئے عمر کے بابِ راز مین
یادِ وصالِ مختصر بل کے شبِ دراز مین

جلوۂ اختیار سے نسبتِ جبر ہے مجھے
شعلۂ آرمیدہ ہون وادیِ برقِ ناز مین

ہم نہ ازل سے آج تک سجدہ سے سر اٹھا سکے
چھپ رہے جلوہ ہائے دوست کعبۂ حریمِ ناز مین

حشر مین حشر چاہیئے حشر پہ حشر چاہیئے
دفن ہین سجدہ ہائے شوق ناصیۂ نیاز مین

چشم براہ یار ہون منتظرِ فشار ہون
سبزۂ رہگذر ہون عالمِ عرضِ ناز مین

چارۂ تپِ فراق کا شکر نہین تو کچھ نہین
بوئے مزاجِ یار ہے نبض بہانہ باز مین

ہر تصوّر جلوۂ صورت کا کفر انگیز ہے
خاکِ دل اللہ اکبر کیا ہی کافر خیز ہے

ہوش کا سرمایہ وحشت کے سوا ممکن نہین
عالم اک مجموعۂ ذراتِ صحرا بیز ہے

تھی شکستِ دل مگر تا حدِ آوازِ شکست
ٹوٹ کر بھی دل طلسمِ شوقِ یاس آمیز ہے

ہے فنا آبادِ غم اک معنیِ لفظ آفرین
صورت آباد جہان اک لفظِ معنی خیز ہے

تمہید صد ہزار قیامت ہے ہر نفس
عنوانِ شوق ہون گلہ ہائے دراز کا

عبرت سرائے دل مین ہون آوازِ دورباش
مارا ہوا ہون خاطرِ حسرت نواز کا

فردائے حشر خیر سے آنکھون کا تھا تصوّر
ہر رخ مری نگاہ کا تصویرِ دوش تھا

محرم میان ذریعۂ الہامِ ذکر تھین
نامون پہ انحصار پیامِ سروش تھا

لیکن وہ کلام ملاحظہ ہو جہان وہ غالبؔ کے کلام کی سادگی اور جوش اور فارسی کی لطیف ترکیبون کی آمیزش سے اپنے کلام کو ایک خاص اثر سے مملو کر دیتے ہین :-

نہین کہ وحشتِ دل چارہ گر نہین ہو مجھے — جنونِ چارۂ وحشت مگر نہین ہے مجھے

خرابِ لذتِ جانکاہیِ محبت ہون — مآلِ عشق سے قطعِ نظر نہین ہے مجھے

نہین یہ مردنِ دشوار بے سبب یعنی — یقین مژدۂ پیغام بر نہین ہے مجھے

جنون سہی اثرِ بے خودیِ غم نہ سہی — تمھین خبر ہے کہ اپنی خبر نہین ہے مجھے

نہ بارِ منتِ ناخن نہ خطرۂ سوزن — مجالِ بخیۂ زخمِ جگر نہین ہے مجھے

یہ کیا ہے پھر کہ مجھے اک جہان نظر آیا — خمارِ بادۂ وحدت اگر نہین ہے مجھے

یہ جستجو ہے کہ ہے عالمِ مجاز کہان — تلاشِ چشمِ حقیقت نگر نہین ہے مجھے

ہلاکِ تلخیِ تاثیرِ شکوہ ہون فانی

شکایتِ گلۂ بے اثر نہین ہے مجھے

غالب کے رنگ کی تمام غزلون مین فانی صاحب کی یہ غزل ہمارا خیال ہے ہر حیثیت سے بہترین ہے، اور اس مین فانی صاحب نے اپنے کو غالب مین اسی طرح گم کر دیا ہے کہ امتیاز مشکل ہو جاتا ہے، تاہم ان کا ایک خاص رنگ ہر شعر مین نمایان ہے، بعض اور غزلین ملاحظہ ہون:-

مرکر ترے خیال کو ٹالے ہوئے تو ہین — ہم جان دے کے دل کو سنبھالے ہوئے تو ہین

بیزار ہو نہ جائے کہین زندگی سے دل — تاثیر سے ہمارے نالے ہوئے تو ہین

ہان دردِ عشق ان پہ کرم کی نظر رہے — صبر و قرار تیرے حوالے ہوئے تو ہین

یہ صحبتین بھی دیکھئے لاتی ہین رنگ کیا — مہمانِ خار پاؤن کے چھالے ہوئے تو ہین

کیا جانئے کہ حشر ہو کیا صبحِ حشر کا، — بیدار تیرے دیکھنے والے ہوئے تو ہین

فانی ترے عمل ہمہ تن جبر ہی سہی

سانچے مین اختیار کے ڈھالے ہوئے تو ہین

مشتاق خبر دار رہین دل سے جگر سے — ملتی ہے زمانہ کی نظر ان کی نظر سے

یہ سایہ بھی اٹھا مری امید کے سر سے — منہ موڑ لیا آہ نے دنیائے اثر سے

دل جن سے ملے اب وہ نگاہین نہین ملتین — ملنے کو تو ملتی ہے نظر انکی نظر سے

پیکان کے بھی ٹکڑے ہین رفو کے بھی ہین ٹانکے — سینہ مین دھواں خیر ہے اٹھتا ہے کدھر سے

امید اثر اور ان آہون کو جو نکلین — اللہ کا گھر پھونک کے اللہ کے گھر سے

کیا پھر ترے ناوک نے کیا عزمِ نوازش — لبیک کی آتی ہے صدا چاکِ جگر سے

بیکار ہی وحشت مین ہم اے گریۂ وحشت — دیوار کی صورت کو ملا لیتے ہین در سے

کس صبح کے مشتاق کا ماتم ہے کہ فانی

روتی ہے گلے ملکے سحر شمعِ سحر سے

مندرجۂ بالا غزلون سے جو غالب کے رنگ مین ہین اندازہ لگائیے اور بتائیے کہ غالب کی طرح فانی کی بھی وہ غزلین جو انھون نے لطیف اندازِ بیان اور ایک خاص اثر کے ماتحت لکھی ہین، ان کی ادق اور دقیق غزلون سے بہتر ہین یا نہین، اس طرح بھی یہ نتیجہ نکلا کہ فانی کے کلام کی خصوصیت ان کی آمد، بانکپن اور روانی ہے جسکی بنا پر ان کا کلام زندہ رہ جائے گا،

ہم نے قصداً فانی کی پوری پوری یا قریب پوری غزلین بلا خوفِ طوالت لکھی ہین، تاکہ ناظرین کو اندازہ ہو سکے کہ ان کی غزلین عام طور پر کس رنگ کی ہوتی ہین، ہم یہ کر سکتے تھے کہ ایک ایک یا دو دو شعر سے لیکر ان کی تشریح کر کے ان کے معنی اور نکات بیان کرتے اور فلسفہ و حقایق سے بھی فانی صاحب کے کلام کو مالا مال دکھانے کی کوشش کرتے، لیکن ہم نے ایسا نہین کیا کیونکہ ہم ہی نہین ناظرین بھی مندرجۂ بالا انتخاب سے اندازہ لگا لین گے، کہ فانی کے یہان اس قسم کا مواد کم ہے، کہین کہین اگر معنی خیز یا بلند اور ارفع خیالات مل جائین تو ان سے اس شاعر کی عظمت نہین ہو سکتی، یہ حصۂ شاعری ہم سمجھتے ہین اصغر صاحب اور جگر

مرادآبادی کے لیے مخصوص ہو چکا ہی، جنکی پوری کی پوری غزلین سرتاپا اسرار و معارف اور حسن و محبت کے انتہائی عمیق و لطیف نکات سے لبریز ہوتی ہین،

کتاب صاف ستھرے کاغذ پر آگرہ اخبار پریس آگرہ مین اچھی خاصی چھپی ہے، اور ستے روپیہ مین مصنف صاحب سے اٹاوہ کے پتہ پر مل سکتی ہے،

ادب العرب

از

مولوی ابو الجلال صاحب ندوی،

یہ عربی بولنے والون اور ان کے علمی، ادبی، اور دماغی کارنامون کی ایک مجمل تاریخ ہے، اور معارف کے سائز پر ۳۰۰ صفحات کا مجموعہ ہے، مولوی زبید احمد صاحب ایم اے، لکچرار الہ آباد یونیورسٹی نے اس کو مرتب کیا ہے، اور غالباً اردو زبان مین یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے، اور یہی کیا کم شکریہ کا مقام ہے کہ ہمارے جدید تعلیم یافتہ اصحاب نے بھی اپنے اسلاف کے پرانے اندوختہ کی دیکھ بھال کی کوشش شروع کی ہے،

فاضل مصنف نے عربون کی ادبی تاریخ کو چار دور مین تقسیم کیا ہے، (۱) ایام جاہلیت، اور (۲) آغاز اسلام سے خلافت بنو امیہ تک، پیش نظر کتاب مین انھین دو دورون کا ذکر ہے (۳) تیسرا دور بنو عباس کا ہے اور چوتھے دور مین ہلاکو سے لیکر آج تک کے انقلابات شامل ہین، ان آخری دو دورون کا بیان دوسری جلد مین آئیگا، مصنف نے جابجا اپنے حوالے کم بتلائے ہین، اور اس کے لیے معذرت کی ہے، صرف اتنا لکھدیا ہے کہ انگریزی، عربی اور اردو مصنفین کی کتابون سے فائدہ اٹھایا ہے، امید ہے کہ وہ نکلسن صاحب کی لٹریری ہسٹری آف عربیا کی پیروی ذکر ینگے،

اس پہلی جلد مین مصنف نے سب سے پہلے اپنے موضوع کی تشریح کی ہے، پھر عرب کے قبیلون، اقوام اور حکومتون کے مواقع و مساکن کا بیان ہے، اسکے بعد زبان، عربی زبان، اور زبان عربی کی پیدائش

ارتقار، اور خصائص سے بحث کی ہے،

فاضل مصنف بالکل ہمارے ہم خیال نکلے، انکی رائے ہے کہ عربی زبان مین اگرچہ بہت کچھ تغیرات ہوئے، مگر وہ اپنی قدیم ترین اصل سے اتنی زیادہ مشابہ ہو کہ اسی کو کم از کم سامی زبانون کی ام الالسنہ کہدیا جائے تو یہ حقیقت کے خلاف نہ ہوگا، ان کے نزدیک بابل کی ہموٹی زبان کو بھی حجازی عربی کی ایک شاخ قرار دیا جاسکتا ہے، وہ صاف صاف بتاتے ہین کہ بابل کی کوئی مخصوص زبان نہ تھی جس جس قوم کی حکومت ہوئی اس کے دوران عہد مین اسی کی زبان وہان مروج ہو گئی؛ جب سامی عربون نے عیلامیون کو شکست دیکر ایک سلطنت عظیمہ کی بنیاد ڈالی تو ان کی زبان وہان کی زبانون پر غالب آئی . . . عربی وہان جانے کے بعد خالص نہ رہی، سومری، اکادی سابقہ زبانون کے بہت سے الفاظ اسمین داخل ہو گئے، روایت اگر صحیح ہو تو یہی خیال حضرت ابن عباس رضؓ وغیرہ کا بھی تھا، ان کے نزدیک یعربنے بابل کو چھوڑتے وقت عرب کی راہ اسی لیے لی تھی کہ انکو بتایا گیا تھا کہ جو اس طرف جائے گا اسکی زبان فرشتون کی سی ہوگی، ان کے نزدیک تو بابل کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کہ وہان کی زبانون مین تبلبل (گڈمڈ) پیدا ہو گیا تھا[1]؛

خصائص زبان اور حروف ابجد کی بحث کے بعد انھون نے دور جاہلیت، علوم جاہلیت، شعرائے مخضرمین، عہد نبوت، عہد خلافت اور عہد بنو امیہ کے ادبی، علمی، تاریخی، اور دماغی کارنامون پر ریویو کیا ہے، یہ مباحث نہایت مختصر لیکن پر مغز عبارتون مین ادا کئے گئے ہین،

کتاب کی پوری ستایش کے ساتھ اسکے چند خیالات سے ہمین اختلاف بھی ہے،

صفحہ ۹ پر ادب بمعنی لٹریچر کو تادیب سے ماخوذ بتایا گیا ہے، مناسبت یہ بتائی گئی ہے کہ ادب کے معنی "دعوت طعام" کے ہین اور کسی کو کھانا کھلانا بہترین اخلاق ہے، اسلیے ادب کے معنی تہذیب اخلاق کے ہوئے، ظہور اسلام کے بعد دور اموییہ مین بعض لوگ معلمین کو مودبین کہنے لگے، اس طرح ادب مین شان تعلیم داخل ہوگئی"

[1] صحیح یہ ہے کہ بابل اصل مین باب ایل ہے۔

پھر آگے چل کر جو نکہ ادبی تعلیم کی بنیاد شعر و لغت وغیرہ پر تھی اسلیے انہین علوم عربیہ پر اس کا اطلاق ہونے لگا؛"

ہمارے خیال مین یہ صحیح نہین، کیونکہ مودب کا لفظ اس معنی مین عہد بنی امیہ کی ایجاد نہین (ادبنی ربی فاحسن تادیبی) کی خبر تو عہد نبوت سے اس لفظ کو رائج بتاتی ہے، علاوہ برین اگر ادب بمعنی تہذیب و شایستگی کا کوئی تعلق "دعوتِ طعام" سے ہوتا تو "ادیب" کا لفظ کبھی تو سخاوت کے معنی مین بولا گیا ہوتا، اصل یہ ہے، ادب کے اصلی معنی مین (بلانا)

والادب الذی یتادب بہ الادیب من الناس	اور وہ ادب جس سے ادیب آدمی ادیب ہوتا ہے اس کو
سمی ادبا لانہ یادب الناس الی المحامد و	ادب اس لئے کہتے ہین کہ وہ ہر آدمی کو اچھی اور محمود باتون کی طرف
ینھاھم عن المقابح (لسان)	بلاتی، اور بری باتون سے منع کرتی ہے،

یہ وہ مفہوم ہے جو ادب نفس (خوش اخلاقی) ادب درس (لٹریچر) اور ادب عقل (خوش تمیزی) وغیرہ تمام معانی پر صادق آتا ہے، عربی اشتقاق مین اسکی کافی مثالین ہین کہ لفظ کثرت استعمال کے باعث بعض خاص معانی کے ساتھ وابستہ ہوجاتا ہے، ادب اصل مین (الادب الی المحامد) کا مختصر ہے،

(۲) دوسری چیز جس سے ہم کو اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ صفحہ ۱۰۶ پر فاضل مصنف نے فرمایا ہے کہ

"عربون کے یہان ۱۲ مہینے ہوتے تھے اور شمسی و قمری حساب کو برابر رکھنے کے لیے لوند کا مہینہ ہر تیسرے سال زیادہ کرلیتے تھے، عربی مین اس زیادتی کو کبس اور نسی کہتے ہین"

کبس اور نسی ہم معنی نہین، کبس کا حساب یہود مین رائج تھا اور بعض قبائل نسی کیا کرتے تھے، نسی کوئی حسابی کاروائی نہین تھی بلکہ محض لوٹ مار کے لیے بعض قبیلے ایسا کیا کرتے تھے، کہ ہر سال حج کے بعد ایک شخص اعلان کرتا تھا کہ فلان مہینہ کو ہم نے پیچھے ہٹا دیا، اس طرح اشہر حرم مین سے بھی ایک مہینہ ان کو لوٹ مار کے لیے مل جاتا تھا اسی لئے خدا نے فرمایا کہ (انما النسی زیادة فی الکفر)

نسی کا تعلق شمسی اور قمری سال کی تحویل باہم سے نہین، لیکن کبس کا تعلق شمسی اور قمری سنین کے موازنہ باہمی سے ہے، کبس اور نسی دونون مرادف ہون تو مسلمانون کے لیے "لوند" کا حساب رکھنا جرم ہو جاتا ہے، حالانکہ

اس حساب کی طرف تو خود قرآن مجید مین بھی اشارہ ہے،

ولبثوا فیھا ثلثمائة سنین وازدادوا تسعا — اصحاب کہف اس مین ۳۰۰ برس رہے اور زیادہ کیے نو سال

"۳۰۰ برس شمسی کے ۳۰۹ برس قمری ہوتے ہین، کبس کی بنیاد اسی حساب پر ہے، کیا یہ بھی حرام ہے؟

مصنف نے غالباً اختصار کے خیال سے مضامین کے استقصا کی فکر نہین کی ہے، ورنہ علوم کے بیان مین کافی تفصیل کی گنجائش ہے،

یہ صحیح نہین ہے کہ علم حدیث کی باقاعدہ تدوین کا آغاز عہد اموی مین نہین ہوا اور نہ یہ صحیح ہے کہ سعد بن ابراہیم قاضی مدینہ حدیث کے پہلے مدون ہین، یا وہ پہلے شخص ہین جنھون نے حضرت عمر بن عبد العزیز کے حکم کی تعمیل کی، بلکہ وہ منجملہ ان اشخاص کے ایک ہین، ابتدائی مدونین حدیث کی ترتیب یہ ہے، ابوبکر بن محمد عمر بن حزم المتوفی سنہ ۱۲۰ھ امام زہری المتوفی سنہ ۱۲۴ھ، سعد بن ابراہیم سنہ ۱۲۶ھ، سعید بن ابی عروبہ سنہ ۱۵۶ھ، ربیع بن صبیح سنہ ۱۶۰ھ امام مالک کی موطا سنہ ۱۳۰ھ سے سنہ ۱۴۰ھ تک تالیف ہوئی،

ابو زیاد کلابی کی کتاب النوادر تمامتر جغرافیہ نہین ہے، وہ اصل مین لغت کی کتاب ہے، اور اسی لغت کے ضمن مین اس مین ایک باب مقامات کا بھی ہے، کلابی گو مہدی کے زمانہ مین بغداد آیا، مگر اسکی عمر کا بڑا حصہ اموی دور مین بادیہ مین گذر چکا تھا،

جبکہ مصنف نے ہر جگہ اپنی اس جلد کے دائرۂ بیان کی بنا پر اموی دور سے آگے پاؤن نہین بڑھایا ہے تو تعجب آتا ہے کہ تصوف کے بیان مین یہ پابندی کیون قائم نرہی،

بہرحال جمع معلومات اور موضوع کے لحاظ سے مصنف کی یہ تالیف اردو مین پہلی کتاب ہے اس لیے وہ ہر طرح داد و تحسین کی مستحق ہے، امید ہے کہ آئندہ جلد مین ہمارے دوست دوسرون پر بھروسہ کرنے کے بجائے خود اپنی قوتِ بازو پر بھروسہ کرین گے، قیمت ۳ پتہ :- مصباح الدین احمد پروپرائٹر نور بک ڈپو ٹاؤن ہال، بریلی،

مطبوعاتِ جدیدہ

ویدا ور قرآنؔ: مولوی خلیل احمد صاحب المعروف بہ "بابا خلیل داس چتر ویدی" جو انگریزی کے ساتھ سنسکرت بھی جانتے ہین، چند سال سے مناظرہ کے میدان مین آئے ہین، اور اسی سلسلہ مین چھوٹے چھوٹے رسالے بھی شائع کئے ہین، جنمین سے بعض اسلام کے محاسن کے بیان مین ہین، اور بعض ہندو مذہب کی تردید و تنقید مین پہلی قسم مین ایک رسالہ قرآن پاک اور غذائے انسانی ہے، جسمین یہ ثابت کیا گیا ہے، کہ "اصطلاح قرآنی مین حلال، غذائے انسانی کا وہ نوع ہے جو ممد روحانیت اور معاون حصولِ حقایق ہے" حجم ۸ صفحے قیمت ۲/

اس کے علاوہ دیگر رسائل مختلف مباحث پر حسب ذیل ہین:

نام رسالہ	موضوع	حجم	قیمت
قرآن پاک اور ذات و صفات الہی،	باری تعالی کے اسماء و صفات قرآن مجید سے بتائے گئے ہین،	۳۲ صفحے	۳/
اسلام اور فطرت،	فطرت کے اصول کی تشریح کرکے اسلام کو فطرت کے مطابق بتایا گیا ہے،	۱۱ "	۵/
قرآن پاک اور سائنس،	قرآن مجید اور سائنس ایک دوسرے کے مؤید ہین،	۴۸ "	۶/
قرآن پاک اور توحید،	قرآن مجید مین توحید کی تعلیمات،	۱۶ "	۲/
قرآن پاک اور اطاعت والدین،	قرآن مجید مین حقوق والدین،	۱۱ "	۱۱/
اعتراضات قرآنی کا قلع قمع،	قرآن مجید پر بعض اعتراضات کے جوابات	۴۰ "	۵/

اپنے ایک رسالہ کو مؤلف موصوف نے وحی الہی کے حقیقی معیار سے موسوم کیا ہے، جسمین کسی کتاب کے الہامی و غیر الہامی ہونے کے متعلق چند اصول وضع کرکے ان کی تشریح کیگئی ہے، حجم ۱۶ صفحے قیمت ۲/

اس کے بعد ہندو مذہب کے متعلق ان کے چند رسالے ہین، جنمین سے پہلا رسالہ ویدون کے متعلق دو دو باتین

ہے، جس مین پہلے ہندو مذہب کی مقدس کتابون کے نام اور ان کے فن وار موضوع سے روشناس کیا گیا ہے، اس کے بعد ویدون کے متعلق چند باتین بیان کیگئی ہین جنھین گویا ان پر ایک اجمالی تبصرہ کہا جا سکتا ہے، حجم ۳۲ صفحے قیمت ۴/ اس کے بعد ویدون کا ماخذ ہے، جسمین پہلے وید کو غیر الہامی کتاب ثابت کیا گیا ہے، پھر ان کا ماخذ پارسیون کی مذہبی کتاب ژند اوستا کو قرار دیا گیا ہے، اور استدلال یہ ہے کہ ان دونون کتابون مین مضامین عامہ، مختلف عناصر کی تعریف و توصیف، آتش پرستی کی تعلیم، اور پھر ژند مین جن بارہ چیزون کو معین طور پر معبود قرار دیا گیا ہے، انھین بارہ چیزونکو وید مین بھی معین طور پر معبود قرار دینا، اور اسی قسم کی چند اور چیزین بھی ان دونون مین یکسان طور پر پائی جاتی ہین اس کے علاوہ ان دونون مذاہب کے مراسم اور عبادت وغیرہ بھی ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہین، اور پھر مؤلف نے ثبوت مین ایسے بہت سے الفاظ پیش کئے ہین جو بعینہ اسی طرح یا خفیف تغیر کے ساتھ دونون کتابون مین ایک معنی مین استعمال ہوئے ہین، اور آخر مین ایران و ہندوستان کے قدیم تجارتی تعلقات کی طرف اشارہ کرکے اس نظریہ کی تائید کیگئی ہے، رسالون کی زبان صاف اور شستہ ہے، بعض رسائل کی طباعت اچھی اور بعض کی ناقص ہے، اس کے علاوہ بعض رسائل مین کتابت کی مسلسل غلطیان ہین، مثلاً "مسیح" کو "مسیع"، "توضیح" کو "توضیع" وغیرہ، یہ تمام رسالے جناب مؤلف سے ہیڈ آفس ملت حنفیہ سیوان ضلع سارن (صوبہ بہار) سے ملین گے،

تشریح الکافر، اس رسالے کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے، اس مین مولنا عبد الرحیم صاحب سالم وکیل ہنم کنڈہ دکن نے قرآن مجید کی مختلف آیتون سے ثابت کیا ہے کہ لفظ "کافر" کے معنی انکار کرنے والے یا ناشکر (؟) کے ہین، یہ کوئی گالی نہین ہے، خواہ مخواہ ہمارے اہل وطن ہنود اس لفظ کو توہین آمیز سمجھتے ہین: جناب خواجہ حسن نظامی صاحب نے تبلیغی سلسلہ مین اسکو شائع کیا ہے، اسلئے یہ حلقہ مشائخ بکڈپو دہلی سے ملیگا، حجم ۲۸ صفحے قیمت ۴/

آئینۂ عالم نما، جناب محمد سمیع صاحب سکنڈ ماسٹر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے طلبائے دار العلوم کے

فائدے کیلئے مختصر جغرافیہ عالم "آئینۂ عالم نما" کے نام سے شائع کیا ہے، جس مین پہلے ضروری جغرافی اصطلاحات بتانے کے بعد اجمالی تفصیل کیساتھ سارے عالم کا جغرافیہ پیش کیا ہے، رسالہ کے ساتھ مختلف ملکون کے مطبوعہ نقشے بھی منسلک ہین، رسالہ کی زبان نہایت سلیس اور طلبہ کے لیے موزون ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۱۰۴ صفحے، کاغذ اچھا اور لکھائی چھپائی معمولی ہے، قیمت ۱۲ر جناب منیجر صاحب شبلی بکڈپو لکھنؤ سے ملیگی،

قواعد اردو، جناب مولوی عبدالحق صاحب بی اے سکرٹری انجمن ترقی اردو کی گرانمایہ تالیف "قواعد اردو" کا یہ نیا اڈیشن ٹائپ مین شائع ہوا ہے، لیکن شاید جناب مؤلف نے اس موقع پر ان تنقیدون پر کچھ زیادہ توجہ نہین کی، جو طبع اول پر شائع ہوئی تھین، بہرحال وہ اس وقت اردو قواعد کی معیاری کتابون مین ہے اور اسلیے جب تک اس سے بہتر کوئی کتاب نہ لکھی جائے، وہ قابلِ قدر ہے، حجم ۳۰۱ صفحے، قیمت عہ/ انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد دکن،

کتاب النحو جدید، جناب آسی امرتسری کا خیال ہے کہ وہ عربی علم نحو کی مکمل تعلیم پندرہ دن مین دے سکتے ہین اور اسی کو پیش نظر رکھ کر انھون نے ایک رسالہ "کتاب النحو جدید" نام تالیف کیا ہے، جس مین نحو کے تمام قواعد کو پریسیڈنٹ ولسن کی طرح ۱۴ اصول مین منضبط کر دیا ہے، رسالہ کی ترتیب یون ہے کہ پہلے ایک کلیہ پیش کیا گیا ہے، مثلاً پہلا کلیہ یہ ہے "جملہ اپنے پہلے جزء کے نام سے مشہور ہوتا ہے" اور اس کے بعد مثالون سے اسکے جزئیات سمجھائے ہین، چنانچہ پہلے کلیہ کی توضیح کے لیے جملہ کی تمام قسمون انشائیہ، خبریہ، دعائیہ، شرطیہ وغیرہ کی ایک ایک مثال دی ہے، اور پھر مزید توضیح کے لیے "تشریحات" کے نام سے ہر کلیہ کے بعد ایک باب بڑھایا ہے، جناب آسی کی یہ جدت لائق ستائش ہے، اور ممکن ہے کہ وہ اپنے دعوی مین بڑی حد تک کامیاب ہون، حجم چھوٹی تقطیع پر ۱۰۴ صفحے قیمت ۸ر کاغذ اور لکھائی چھپائی خاصی ہے، جناب مؤلف سے مدرسۃ المسلمین امرتسر کے پتہ سے ملے گی،

ن